طلاق کے ارادے سے کی گئی
شادی کا شرعی حکم

تالیف

دکتورہ/اقبال عبدالعزیز المطوع

(استاذۃ الفقہ،شعبہ دینیات)

نام کتاب: طلاق کے ارادے سے کی گئی شادی کا شرعی حکم
تالیف: دکتورہ/اقبال عبدالعزیز المطوع
مترجم:
کمپوزنگ: محمد سیف اللہ
صفحات:
قیمت:

ناشر

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست مضامین

مقدمہ

پہلی بحث: اس میں پانچ مطالب ہیں

پہلا مطلب: حکم کی تعریف

دوسرا مطلب: زواج (نکاح وشادی) کی تعریف

تیسرا مطلب: نیت کی تعریف

چوتھا مطلب: طلاق کی تعریف

پانچواں مطلب: نکاح بنیۃ الطلاق کا عام مفہوم

دوسری بحث: اس میں تین مطالب ہیں

پہلا مطلب: اسلام میں شای کا حکم

دوسرا مطلب اسلام میں شادی کی غرض وغایت

تیسرا مطلب: اس میں دومسئلے ہیں

پہلا مسئلہ: عقد نکاح پر ابھارنے والی غلط نیت کا اثر کہاں تک؟

دوسرا مسئلہ: عقد نکاح میں طلاق کی نیت پوشیدہ رکھنے کا کیا اثر پڑے اور اس سے نکاح کتنا متاثر ہوسکتا ہے

تیسری بحث: اس میں تین مطالب ہیں

پہلا مطلب: نکاح بنیۃ الطلاق اور عام شرعی نکاح میں فرق

دوسرا مطلب: نکاح بنیۃ الطلاق اور نکاح متعہ میں فرق

تیسرا مطلب: نکاح بنیۃ الطلاق اور نکاح محلل میں فرق

چوتھی بحث: نکاح بنیة الطلاق کے احکام کے متعلق علماء کرام کی گرانقدر آراء

خاتمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

تمام تعریف اس اللہ رب العزت کے لئے ہے جس نے شادی اور نکاح کو مشروع کر کے انسانوں کو عفت و پاکدامنی کی زندگی عطا کی اور اس کا طریق کار بھی آسان سے آسان تر بنایا نیز ایسے لوگوں کے لئے غنا اور وسعت رزق کا بھی وعدہ فرمایا جو حرام کاری سے بچنے کے لئے نکاح کا ارادہ کریں، چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے:

"وأنكحوا الأيامى منكم والصالحين من عبادكم وإمائكم إن يكونوا فقراء يغنهم الله من فضله والله واسع عليهم" (سورہ نور:۳۲) (اور تم میں سے جو بے نکاح ہوں تم ان کا نکاح کر دیا کرو، اور تمہارے غلام اور لونڈیوں میں جو اس لائق ہوں اس کا بھی اگر وہ لوگ مفلس ہوں گے تو اللہ تعالی اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے گا اور اللہ تعالی وسعت والا اور خوب جاننے والا ہے)۔

اور درود وسلام نازل ہو معلم انسانیت، ہادی اعظم محمد ﷺ پر جو اپنی بیویوں کے لئے ایک مثالی شوہر تھے جس کی زندگی میں ہم سب کے لئے ایک نمونہ ہے، اسی طرح آپ ﷺ کے صحابہ پر بھی درود وسلام ہو، جو اصحاب یمین ہونے کے ساتھ ہم سب کے لئے مشعل راہ ہیں نیز قیامت تک آنے والے لوگوں میں سے جو بھی آپ کا اتباع کرنے والا ہو سب پر درود وسلام اور اللہ کی طرف سے رحمت خاصہ نازل ہو۔

اسلام کی نظر میں شادی اور نکاح ایک عبادت اور قربت کی حیثیت سے مشروع ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ دل کے اخلاص کے ساتھ اپنے کو پاکدامن رکھنا چاہتا ہو صرف شہوانی

خواہشات کو پورا کرنا مقصد نہ ہو، بلکہ اس کے ساتھ ایک خوشگوار ازدواجی زندگی گزارنے اور پھر اس جوڑے سے ایک صالح خاندان وجود میں لانا بھی مقصد میں شامل ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہارے شہوت کے مقام میں بھی صدقہ ہے، صحابہ نے پوچھا اے اللہ کے رسول کیا آدمی اپنی بیوی کے پاس اپنی شہوت پوری کرنے کے لئے آتا ہے اس پر بھی اجر ملتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے اگر وہ اپنی شہوت کسی غلط جگہ پوری کرتا کیا اس پر گناہ نہیں ہوتا تو اسی طرح جب اسے حلال جگہ پوری کرے گا تو اس کے لئے اجر متعین ہے'' (رواہ مسلم کتاب الزکاۃ)۔

اسلام مذہب کا یہ کمال ہے کہ اس نے طبعی تقاضوں کو عبادت اور شہوت کی چیزوں سے بھی اللہ کی رضا حاصل کرنے کا راستہ کھول دیا، آدمی اپنی نیت کا رخ پھیر لے تو اس طرح بہت سی چیزیں عادت سے عبادت کی طرف منتقل ہو جاتی ہیں چونکہ ہر قسم کے عقود میں نیتوں کا ایک اہم کردار ہوتا ہے اور عقد نکاح میں بھی مختلف قسم کی نیتیں کی جاتی ہیں جس کے بعضے لوگ انتشار ذہنی میں مبتلا تھے یہ مثلاً اگر کوئی شخص کچھ دنوں بعد طلاق کے عزم کے ساتھ نکاح کرے تو کیا یہ نکاح درست ہوگا، اس کی اس نیت کا عقد پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں۔ تو میں نے بتوفیق اللہ قلم اٹھانے کا ارادہ کرلیا، اللہ تعالی توفیق ارزانی سے نوازنے والے ہیں۔

اس موضوع پر بطور خاص قلم اٹھانے کا سبب یہ ہوا کہ میں نے اس مسئلے میں دیکھا کہ کچھ علماء ایسے نکاح کو مطلقا جائز قرار دیتے ہیں جبکہ قرآن وحدیث میں بہت سے دلائل ایسے موجود ہیں جو اس نظریہ کے مخالف ہیں، اور کچھ لوگ ایسے نکاح کو مطلقاً ناجائز اور غیر درست قرار دیتے ہیں جس سے بعضے لوگ زنا اور حرام کاری کی دہلیز تک پہنچ جاتے ہیں اور ہر ایک اپنے دعوے اور نظریہ کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہے۔

اس موضوع پر عوام کی طرف سے نیز ہمارے طلبہ کی طرف سے کثرت سے میرے پاس سوالات آئے اور کچھ دلائل میرے پاس کچھ اپنے بھی تھے تو میں نے ہمت اکٹھا کی اور عزم مصمم کرلیا کہ ہر ایک کے دلائل کا انصاف کے ساتھ جائزہ لیا جائے اور بالکل خالی الذہن ہوکر جو

رائے دلائل کی روشنی میں قوی معلوم ہواس کی تائید کی جائے، واللہ اعلم۔

اللہ سے دعا ہے کہ صواب وصحیح تک پہنچنا ہمارے لئے آسان کردے اور ہماری ماؤں اور بہنوں کو ہر پریشانی سے محفوظ رکھے، اے اللہ تو بیشک ہر چیز پر قادر ہے۔

یہ تحقیقی رسالہ چند بحثوں پر مشتمل ہے:

پہلی بحث میں زواج بنیۃ الطلاق یعنی زیر بحث کی وضاحت کی گئی ہے اور یہ کل پانچ مطالب پر مشتمل ہے۔

پہلا مطلب: حکم کی تعریف

دوسرا مطلب: زواج (نکاح وشادی) کی تعریف

تیسرا مطلب: نیت کی تعریف

چوتھا مطلب: طلاق کی تعریف

پانچواں مطلب: نکاح بنیۃ الطلاق کا عام مفہوم

دوسری بحث: اس میں کل تین مطلب ہیں:

پہلا مطلب: اسلام میں شادی کا حکم

دوسرا مطلب: اسلام میں شادی کی غرض وغایت

تیسرا مطلب: اس میں دوطرح کے مسئلے ہیں:

پہلا مسئلہ: عقد نکاح پر ابھارنے والی غلط نیت کا اثر کہاں تک؟

دوسرا مسئلہ: عقد نکاح میں طلاق کی نیت پوشیدہ رکھنے کا کیا اثر پڑے اور اس سے نکاح کتنا متاثر ہوسکتا ہے

تیسری بحث: نکاح بنیۃ الطلاق اور دیگر نکاحوں میں فرق کا بیان اور اس میں کل تین مطلب ہیں:

پہلا مطلب: نکاح بنیۃ الطلاق اور عام شرعی نکاح میں فرق

دوسرا مطلب: نکاح بنیۃ الطلاق اور نکاح متعہ میں فرق

تیسرا مطلب: نکاح بنیۃ الطلاق اور نکاح محلل میں فرق

چوتھی بحث: نکاح بنیۃ الطلاق کے احکام کے متعلق علماء کرام کی گرانقدر آراء اور اس سے میں نے جو نتیجہ نکالا اسے خاتمہ میں ذکر کر دیا گیا ہے۔

یہ میری حقیر کاوش ہے جس کو احسن طریقے سے بیان کرنے کی اللہ رب العزت سے دعا کرتا ہوں۔

پہلی بحث:

طلاق کی نیت سے نکاح کا حکم

مقصداول: حکم کی تعریف:

اصل موضوع پر گفتگو سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عنوان موضوع: ''**حکم الزواج بنية الطلاق**''(طلاق کی نیت سے نکاح کا حکم) کے مفردات کی تعریف، اور مختصراً ہر ایک کی تشریح کر دوں، کیونکہ کسی شئی پر حکم لگانا دراصل اس کے تصور کی فرع ہوتی ہے، اور ہماری بحث کا پہلا کلمہ لفظ حکم ہے۔

حکم کا لغوی معنی:

لغت میں حاء۔کاف، میم۔حکم کے معنی منع کرنا، روکنا آتا ہے، اسی وجہ سے جانور کی لگام میں لگے لوہے کو حكمة الدابة کہتے ہیں، اس لئے کہ وہی گھوڑے کو قابو میں رکھتا ہے اور اپنے مالک کی نافرمانی سے روکتا ہے۔ اسی طرح حاکم کو حاکم اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ وہ ظالم وسرکش کو ظلم وسرکشی سے روکتا ہے، کہا جاتا ہے: حكمت السفيه وأحكمته جب کہ اس کو بیوقوفی سے روکا۔ مشہور عربی شاعر جریر کہتا ہے:

أبنى حنيفة احكموا سفهاء كم إنى أخاف عليكم أن أغضبا

(اے بنوحنیفہ والو! اپنے بیوقوفوں کو روکو مجھے ڈر ہے کہ ان کی بیوقوفی کے باعث میں تم پر غضبناک نہ ہو جاؤں)۔

کہا جاتا ہے: ''حکمت علیہ بکذا'' میں نے فلاں پر پابندی لگادی اب اس کے خلاف نہیں کرسکتا)، اور حکم بمعنی قضاء وفیصلہ کے بھی آتے ہیں، کہا جاتا ہے: ''حکم واللہ'' کسی معاملہ میں اللہ کا فیصلہ حکم کی جمع تکسیر احکام آتی ہے (مقاییس اللغۃ لابن فارس، تحقیق عبدالسلام محمد ہارون مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۹۷۹ء جلد دوم ۹۱، المحکم والمحیط الاعظم لابی الحسن علی بن اسماعیل، تحقیق عبدالحمید ہنداوی مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۲۰۰۰ء، لسان العرب لابن منظور ۱۴۰/۱۲، طبع اول، دارصادر بیروت)۔

حکم کا اصطلاحی معنی:

اثبات امر لأ مر اونفیہ عنہ یعنی ایک امر کے لئے کسی شئی کا ثابت کرنا یا اس سے شئی کی نفی کرنا جیسا کہ کسی نے کہا: زید کھڑا ہے، اور یہ کام واجب ہے، اس جملہ میں زید پر کھڑے ہونے کا حکم لگایا اور کام کے واجب ہونے کا حکم لگایا، یہ حکم مثبت ہوا۔

اور اگر کہا کہ یہ کام واجب نہیں ہے یا یہ کہا زید کھڑا نہیں ہے تو کام سے وجوب کی نفی کی اور زید کے کھڑنے ہونے کی نفی کی، یہ حکم منفی ہوا۔

حکم کی باعتبار اصل تین قسم ہے (۱) حکم عقلی، (۲) حکم تجربی، (۳) حکم شرعی۔

(۱) حکم عقلی:

ایسا قضیہ ہے جو صدق وکذب کو قبول کرتا ہے اس کا دارومدار شرع اور تجربہ پر نہیں ہے بلکہ عقل محض پر ہے، اور مکلفین کی عقلیں متفاوت ہوتی ہیں، لہذا عقل کے درجات مختلف ہوتے ہیں، اور ہر شخص اپنی عقل کے معیار سے مثبت یا منفی حکم لگاتا ہے، لہذا عقل کے حکم پر سب کا اتفاق ہے خواہ یہ حکم بدیہی ہو کہ اس کے لگانے میں کسی غور وفکر کی ضرورت نہ پڑے یا نظری ہو کہ غور وفکر کی حاجت پڑے۔

حکم عقلی کی تعریف: ''إثبات أمر لآخر أو نفيه عنه من غير توقف على

تکرر ولا وضع واضع "یعنی واضع کی وضع اور تکرار فکر ونظر پر توقف کے بغیر کسی کے لئے ایک امر کا حکم لگانا یا اس سے اس کی نفی کرنا (اور یہ منحصر ہے وجوب، استحالہ اور جواز کے درمیان) مثال: جیسے کل جزو سے بڑا ہوتا ہے، اور جزو، کل سے بڑا نہیں ہے۔

(۲) عام تجربی حکم:

کسی امر کے لئے ایک چیز کے ثبوت کا حکم لگانا یا اس کی نفی کرنا بار بار کے تجربہ اور مشاہدہ کے بعد یہ مان کر کہ اس کے برعکس بھی ہوسکتا ہے، حکم تجربی کہلاتا ہے، جیسے کسی جڑی بوٹی کا کسی خاص مرض میں فائدہ کا تجربہ بار بار کیا گیا پھر حکم لگایا کہ یہ بوٹی اس مرض کی دوا ہے حالانکہ اس سلسلہ میں نہ وحی نازل ہوئی نہ عقل نے فیصلہ کیا بلکہ پیہم تجربات کئے گئے اب اگر کسی مریض کو اس سے فائدہ نہیں ہوا تو یہ ممکن ہے کہ اس کے مزاج کے موافق نہیں پڑی جبکہ اسی مرض کے شکار دوسرے مریضوں کو برابر فائدہ ہوتا رہا تو تجربات کی روشنی میں مذکورہ بوٹی اس مرض کا علاج قرار پائی۔

اس کو یوں سمجھا جائے کہ آگ کی خاصیت ہے ہر جلنے کے قابل چیز کو جلا دینا جب کہ وہ چیز اس آگ میں ڈالی جائے یا آگ سے مس ہوجائے مگر اس کے برعکس بھی ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آتش نمرود میں ڈالا گیا لیکن اللہ نے آگ سے جلانے کی خاصیت سلب کرلی لہذا آگ نے حضرت ابراہیمؑ کو نہیں جلایا، اسی طرح بوٹی کی تاثیر کو اللہ نے اس مریض کے حق میں سلب کرلیا تو نفع نہیں ہوا (کتاب الکلیات معجم فی المصطلحات والفروق اللغویہ لابی البقاء ایوب الحسینی، تحقیق عدنان درویش ۱/۴۹۵ بیروت)۔

(۳) حکم شرعی اصولیین کی اصطلاح:

ہماری بحث کا موضوع یہی حکم شرعی ہے، حکم عقلی اور حکم تجربی ہمارا موضوع گفتگو نہیں

لہذا ہم کہتے ہیں حضرات اصولیین کی اصطلاح میں : ''**هو خطاب الله القديم المتعلق بأفعال المكلفين بالاقتضاء أو التخيير**'' (الابہاج فی شرح المنہاج علی منہاج الوصول إلی علم الاصول للبیضاوی، مصنف علی بن عبدالکافی السبکی ۱/۴۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ ۱۴۰۴ھ، التمہید فی تخریج الفروع علی الاصول، مصنف عبدالرحیم الاسنوی، بیروت) (اختیار یا مطالبہ کے طور پر مکلّف بندوں کے افعال سے متعلق اللہ رب العزت کے قدیم کو) حکم شرعی کہتے ہیں۔

علامہ ابن رجب حنبلیؒ نے اس تعریف میں أوالوضع کا اضافہ کیا ہے تاکہ سبب یا شرط یا مانع کی حیثیت سے ایک شئی اس تعریف میں شام ہوجائے جیسے اللہ تعالی نے زوال آفتاب کو وقت ظہر کے دخول کا موجب بنایا ہے اور طہارت (وضو) کو نماز کی صحت کے لئے شرط بنایا ہے اور نجاست کو نماز کی صحت کے لئے مانع بنایا ہے لہذا وقت ظہر کے لئے زوال شمس کا پایا جانا اور نماز کے صحت کے لئے پاکی کا ہونا اور صحت نماز کے لئے نجاست کا مانع ہونا حکم شرعی ہے، شارع سے ہم کو اس کا علم ہوا ہے، اس میں کوئی طلب یا اختیار نہیں ہے کیونکہ یہ ہمارے افعال کا حصہ نہیں کہ ہم سے مطالبہ کیا جائے یا کرنے نہ کرنے میں ہم کو اختیار رہے۔

حکم شرعی کی تعریف فقہاء کی اصطلاح میں:

''**هو أثر خطاب الله المتعلق بأفعال المكلفين اقتضاء اً، أو تخييراً، أو وضعاً**'' (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ مطبوعہ دار السلاسل ۱۴۰۰ھ، ص: ۴۸-۴۹) (وہ مکلّف بندوں کے افعال سے متعلق اللہ تعالی کے خطاب کا اثر ہے بطور طلب یا اختیار یا وضع کے)۔

اور ہمارا خطاب اللہ القدیم کہنا اس اعتبار سے ہے کہ کوئی بھی شرعی قانون اور حکم، اللہ کے خطاب ہی سے پایا جائے گا، اور اللہ کے خطاب سے ہٹ کر ہر شرعی قانون باطل اور لغو ہے، سورہ انعام میں اللہ تعالی فرماتا ہے: ''**إن الحكم إلا لله يقص الحق وهو خير الفاصلين**'' (آیت: ۵۷)، اور خطاب اللہ سے مراد لفظ اور معنی پر مشتمل اللہ کا کلام ہے، نہ کہ لفظ

وصیغہ سے خالی محض ذات ومعنی۔

اور ہمارا"**المتعلق بأفعال المکلفین** "کہنا تو اس سے مراد اس جگہ مکلّف کا وہ فعل ہے جو قول وعمل اور اعتقاد سب کو شامل ہے، اور مکلّف سے مراد: عاقل وبالغ اور ہوشمند، غیر مکرہ (جس پر جبر نہ کیا گیا ہو) مسلمان ہے (معالم اصول الفقہ عند اہل السنۃ والجماعۃ ۱/۲۷۸ مولف محمد بن حسین الجیزانی مطبوعہ دار ابن الجوزی، سعودی عرب)۔

اور اقتضاء سے مراد وہ خطاب ہے جو طلب کے معنی کو متضمن ہے اور جس کا نتیجہ واجب ہونے یا حرام ہونے یا مستحب یا مکرہ ہونے کی شکل میں ظاہر ہو اور تخییر سے مراد وہ خطاب ہے جس میں مکلّف کو کرنے نہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے یعنی مباح ہو۔

اور فقہاء نے حکم کی جو تعریف کی ہے اس کے اعتبار سے وضع سے مراد وہ خطاب ہے جس سے کسی شئی کا سبب یا مانع ہونا، یا شرط یا صحیح یا فاسد ہونا سمجھ میں آئے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرات اصولیین کے نزدیک اصل آیت حکم شرعی ہے اور فقہاء حضرات کے یہاں واجب یا حرام یا مستحب وغیرہ ہونے کی حیثیت سے آیت کا اثر، حکم شرعی ہے (اصول الفقہ مؤلف محمد ابوالنور زہیر ۱/۳۶-۳۷، مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ مکہ مکرمہ)۔

مقصد دوم:

زواج کی تعریف

کوئی بھی صاحب عقل سمجھ سکتا ہے کہ جب زواج کا لفظ بولا جاتا ہے تو ذہن فوراً اس ربط وتعلق کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے جو کسی مرد اور عورت کے مابین شریعت کے مقرر کردہ قاعدہ کے تحت قائم ہوتا ہے، اسی طرح ذہن میں یہ بات بھی آتی ہے کہ زواج کا لفظ زمانہ قدیم سے مستعمل ہے اور ہر زبان وہر مذہب وملت اور دین میں یہ لفظ پایا جاتا ہے بلکہ دین ومذہب کے وجود سے پہلے ہی سے زواج کا لفظ ملتا ہے، جیسا کہ آیت کریمہ: "**وقلنا یا آدم اسکن أنت وزوجک الجنة**" (البقرہ: ۲۵، موسوعۃ الاسرہ ۱/۲۵۸ کویت ۲۰۰۳ء)۔

لغوی تعریف:

زواج زاء کے زبر کے ساتھ زَوّج فعل سے اسم ہے جیسے سلّم سے سلاماً اور کلّم سے کلاماً، زواج، سلام، کلام تینوں اسم ہیں ایک وزن پر آتے ہیں اور زواج زاء کے زیر کے ساتھ پڑھنا بھی صحیح ہے مفاعلۃ کے باب سے مصدر مان کر زواج کے لئے دو فرد کا ہونا ضروری ہے کیونکہ لغت میں زواج کہتے ہیں دو الگ الگ چیزوں کو، ایک دوسرے کے ساتھ ملانا، اسی سے ازدواج ہے یعنی دو چیزیں مل گئیں جو کہ پہلے الگ الگ تھیں، زوج، زواج، ازدواج ضم ہونے کے معنی میں آتا ہے کہتے ہیں "**تناکحت الأشجار**" یعنی درخت ایک دوسرے کی طرف جھک کر باہم مل گئے، چونکہ شوہر اپنی بیوی کو محبت سے اپنے سینے سے چمٹاتا ہے جس طرح ماں محبت سے اپنے بچے کو اپنی چھاتی سے ملاتی اور چمٹاتی ہے اس لئے زوج اور زوجہ کہلاتے ہیں۔

اورزواج کا لفظ عقد اور وطی و جماع کے معنی میں بھی آتا ہے (المصباح المنیر مصنف احمد محمد المقری ۱/۲۵۹ بیروت مکتبہ علمیہ)۔

زوج کا لفظ شوہر اور بیوی دونوں کے لئے بولا جاتا ہے، اور مفرد کے مقابلہ میں بھی زوج بولتے ہیں نیز ہودج پر جو کپڑا ڈالا جاتا ہے اس کو بھی زوج کہتے ہیں اور دیباج کے ایک خاص رنگ کے لئے بھی زوج کا لفظ بولا جاتا ہے جبکہ زوج اور زوجان میاں بیوی دونوں کے لئے مستعمل ہے کہا جاتا ہے: "هما زوجان، هما زوج"، اور زوجۃ تاء تانیث کے ساتھ یعنی بیوی کو کہتے ہیں، "امرأة مزواج" (بہت زیادہ نکاح کرنے والی عورت)۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: "وزوجناهم بحور عين" (الدخان: ۵)، یعنی ہم ان کو ملا دیں گے بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے، اور ازدواج بمعنی قرناء قرین کی جمع یعنی ساتھ کہتے ہیں تزوجہ النوم اس کو نیند آ گئی، عندی زوجا حمام، میرے پاس کبوتر کا جوڑا ہے یعنی نر اور مادہ ہے (القاموس المحیط لمجد الدین ابوطاہر محمد الفیروزآبادی)۔

زواج کی اصطلاحی تعریف:

فقہاء نے زواج کی متعدد تعریفات کی ہیں سب کا معنی و مفہوم تقریباً ایک ہی نکلتا ہے اور وہ ہے: "**حل استمتاع الرجل بالمرأة**"، یعنی مرد کے لئے عورت سے لطف اندوز ہونے کا جواز۔

علامہ ابن عابدین حنفیؒ نے ردالمحتار میں زواج کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے: "**عقد يفيد ملك المتعة من امرأة لم يمنع من نكاحها مانع شرعي**" (ردالمحتار علی درالمختار ۹/۷۸ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۹۹۲)۔

یعنی ایسا عقد جو مرد کو اس عورت سے لطف اندوز ہونے کا مالک بناتا ہے جس سے نکاح کرنے میں کوئی شرعی مانع نہیں ہے۔

اور علامہ شہاب الدین بغدادی مالکیؒ ارشاد السالک میں لکھتے ہیں: "**النکاح فی عرف الشرع عقد لحل تمتع لحل تقع بانثی غیر محبوسة وغیر أمة کتابیة بصیغة لقادر محتاج أو راج نسلاً**" (ارشاد السالک اِلی اشرف المسالک فی فقہ الامام مالک ۱/۱۰۹ مطبوعہ مصر)۔

یعنی نکاح شریعت کے عرف میں ایسے عقد کو کہتے ہیں جو غیر محبوس عورت اور غیر کتابی باندی سے تمتع کو حلال کرتا ہے ایسے شخص کے لئے جو نکاح کرنے پر قادر بھی ہے اور اس کا محتاج بھی ہے یا ایسے شخص کے لئے جو نکاح سے نسل کے چلنے کی امید کرتا ہے۔

اور علامہ زکریا الانصاری کہتے ہیں زواج اس عقد کو کہتے ہیں جو أنکحت یا زوجت یا اس کے ہم معنی لفظ کے ذریعہ قائم ہوتا ہے اور وطی کو مباح کرتا ہے (علامہ علاء الدین المرداوی، الانصاف فی معرفة الراجح من الخلاف ۸/۳، بیروت)۔

اور فقہاء حنابلہ فرماتے ہیں: زواج: عقد نکاح کو کہتے ہیں جو عقد کے معنی میں حقیقت ہے وطی کے معنی میں مجاز ہے (عقد الزواج وآثارہ ص:۴۳، مصنف محمد ابوزہرہ، مصر)۔

نکاح کی لغوی تعریف:

نکح ینکح نکاحاً (ض،ف) نکاح (نون کے زیر کے ساتھ) وطی اور عقد کے معنی میں بولا جاتا ہے، امرأة ناکح، شوہر والی عورت، **استنکح المرأة**، عورت سے شادی، **أنکح المرأة**، عورت کی شادی کرادی، **نکحت المرأة**، عورت نے شادی کی، **النکح** (نون کے زیر اور پیش کے ساتھ) اسم ہے، اہل عرب اسی کلمہ کو بول کر شادی بیاہ کرتے تھے (لسان العرب لابن منظور ۲/۶۲۶، زہر الاکم فی الامثال والحکم للحسن بن سعود الیوسی ۳/۱۶۴)۔

نکاح کی اصطلاحی تعریف:

اصطلاح میں نکاح، زواج کا مرادف ہے،سوائے اس کے کہ نکاح عقد کے معنی میں حقیقت ہے اور وطی کے معنی میں مجاز ہے اور زیادہ تر نکاح، عقد کے معنی ہی میں مستعمل ہے، فلان المرأۃ فلاں نے عورت سے شادی کی۔

بعض اہل لغت نے نکاح اور زواج میں لطیف فرق بتایا ہے، جب نکح فلان بنت فلان کہتے ہیں ت واس سے یہ مطلب لیتے ہیں کہ فلاں شخص نے فلاں کی لڑکی سے عقد کیا، شادی کی اور جب **نکح فلان امرأته** بولتے ہیں تو مراد ہوتی ہے کہ فلاں نے اپنی بیوی سے وطی کی، قرآن کریم جہاں کہیں بھی نکاح کا لفظ آیا ہے، وہاں عقد مراد ہے سوائے اس آیت کے "**فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره**"(سورۃ البقرہ:۲۳) یہاں تنکح سے جماع کے معنی لیا گیا ہے جب کہ زواج کا لفظ صرف عقد اور شادی کے لئے بولا جاتا ہے (تحریر الفاظ التنبیہ للامام النووی تحقیق: عبدالغنی الدقر، دارالقلم دمشق، ۲۴۹)۔

مقصد سوم:

نیت کی تعریف

لغوی تعریف:

نوی ینوی نیة و نیة (ض) ارادہ کرنا، قصد کرنا، عزم کرنا، نیۃ یاء مخفف کے ساتھ شاذ ہے، نیت کو نیت اس لئے کہتے ہیں کہ قلب کسی کام کے کرنے کا عزم کرتا ہے اور اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے، نوی: وہ سمت جس کی طرف مسافر قصد کرتا ہے خواہ دور ہو یا قریب، اس معنی میں نیۃ صرف مؤنث مستعمل ہے، جبکہ نواۃ (گٹھلی) جمع نوی مذکر و مونث دونوں مستعمل ہے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے یا ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہونے کو بھی **نوی من مکان إلی مکان** کہتے ہیں (لسان العرب ۱۵/۴/۳۷، تاج العروس لمرتضی الزبیدی ۴۰/۱۳۸، مختار الصحاح لمحمد بن ابی بکر الرازی ص:۳۲۲)۔

اصطلاحی تعریف:

علماء کرام نے نیت کی مختلف تعریفات کی ہیں اور سب میں نیت کے لغوی معنی کی روح پائی جاتی ہے۔

۱۔ احناف کہتے ہیں: نیت نام ہے عمل کرنے میں اطاعت اور تقرب إلی اللہ کا قصد وارادہ کرنے کا (الاشباہ والنظائر لابن نجیم ص:۲۴ بیروت)۔

۲۔ مالکیہ کے نزدیک نیت: انسان کا اپنے دل سے ارادہ کرنا ہے، اس فعل کے لئے

جس کو وہ کرنا چاہتا ہے (الذخیرۃ لشھاب الدین احمد القرافی ۱/۲۴۰، دار الغرب، بیروت ۱۹۹۴ء)۔

۳۔شوافع کے نزدیک: **النیة ھی انبعاث القلب نحو ما یراہ موافقاً لغرض من جلب نفع أو دفع ضرر حالاً أو مآلاً** (الاشباہ والنظائر للسیوطی ص: ۳۰، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۳ھ)، دل کا تیزی سے سبقت کرنا ہے ایسے کام کی طرف جس کو حصول نفع یا دفع ضرر کے موافق دیکھتا ہے حال یا انجام کے اعتبار سے۔

۴۔حنابلہ کہتے ہیں: نیت نام ہے اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے عبادت کرنے کے لئے عزم کرنے کا (العروض المربع شرح زاد المستقنع لمنصور بن یونس البھوتی ص: ۸۳ بیروت)۔

۵۔امام ابوداؤد ظاہری کے نزدیک نیت نام ہے اللہ کے فرض کردہ اعمال کو بجالانے کا قصد وارادہ کرنا (المحلی لابن حزم الظاہری ۱/۹۴ دار الفکر بیروت)۔

نیت کی راجح اور پسندیدہ تعریف:

ان تمام تعریفات میں سب سے عمدہ وراجح وہ تعریف ہے جس کو علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے بیضاویؒ کے حوالہ سے اپنی کتاب الاشباہ والنظائر میں ذکر کیا ہے جس کو شوافع کی اختیار کردہ تعریف کے تحت ہم نے تحریر کیا ہے، النیة: **انبعاث القلب نحو ما یراہ موافقاً لفرض ....**۔

نیت کی حقیقت:

نیت کی حقیقت میں ائمہ وفقہاء کا اختلاف ہے کہا گیا ہے کہ نیت کی حقیقت، طلب ہے کسی نے کہا نیت کی حقیقت، طلب میں انتھک کوشش کرنا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا کہنا ہے: ’’**من ینو الدنیا تعجزہ**‘‘، یعنی جو دنیا کی طلب میں کوشش کرے گا دنیا اس کو عاجز کردے گی، کسی نے کہا: دل سے کسی چیز کا قصد کرنا، نیت ہے اور کہا گیا ہے: نیت، دل کی عزیمت کا نام ہے

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نیت مشتق ہے نوی بمعنی بعد سے تو گویا کسی چیز کی نیت کرنے والا اپنے قصد وعزم سے اس بعید چیز کو طلب کرر ہا ہے جس تک اپنے ظاہری اعضاء وجوارح سے رسائی نہیں حاصل کرسکتا لہذا اس نے اس چیز تک پہنچنے کے لئے نیت کو وسیلہ بنایا ہے (طرح التثریب فی شرح التقریب لابی الفضل عبدالرحیم العراقی ۱/۳۶۱، بیروت ۱۹۹۲ء)۔

اور ہمارے قول "**حکم النکاح بنیة الطلاق**" میں باء مصاحبت کے لئے ہے یعنی جب اس نے نکاح اور شادی کی تھی اسی وقت ہی سے طلاق کی نیت تھی۔

مقصد چہارم:

طلاق کی تعریف

لغوی تعریف:

اسم ہے جس کے معنی ہیں عورت کو نکاح کے بندھن سے آزاد کردینا، جس عورت پر طلاق پڑتی ہے اس کو طالق اور طالقۃ کہا جاتا ہے، اور طلاق دینے والے مرد کو مطلق اور مبالغہ کا صیغہ مطلیق اور مطلاق ہے یعنی کثرت سے طلاق دینے والا طلق (طاء، لام، قاف) کے لغوی معنی جدا کردینا، آزاد کردینا، چھوڑ دینا، کہا جاتا ہے: "**طلقت المرأة تطليقاً**"، عورت قید نکاح سے آزاد کردی گئی، اور باب نصر سے **طلقت المرأة من زوجها**، عورت اپنے شوہر سے جدا ہوگئی۔

یہ لفظ دوسرے بہت سے معانی میں بھی بولا جاتا ہے، جیسے کہا جاتا ہے: أعطيته من طلق مالي، میں نے اس کو اپنے عمدہ مال میں سے دیا، طلق بعد کے معنی میں بھی آتا ہے، **طَلَق فلان**: فلاں دور ہوگیا اور خروج کے معنی میں بھی آتا ہے، جیسے **أنت طلق من هذا الأمر**، تم اس معاملہ سے خارج ہو (تاج العروس للزبیدی ۹۵/۲۱، معجم مقاییس اللغۃ لابن فارس ۴۲۰/۳، المصباح المنیر فی غریب الشرح الکبیر للرافعی ۳۷۶/۲)۔

جب ہم ان مذکورہ معانی میں غور کرتے ہیں تو ان کے درمیان اور مقصود طلاق کے درمیان گہرا ربط نظر آتا ہے کیونکہ طلاق دینے والے نے اپنی عورت کو چھوڑ دیا اور اس کو اپنے سے دور کردیا نکاح کی قید سے آزاد کرکے اب وہ دوسرے کے لئے حلال ہوگئی اور پہلے شوہر کے عقد سے بندھی تھی اس سے نکل گئی، اس اعتبار سے اسے دیکھا جائے تو طلاق میں سب معانی بیک

وقت جمع ہو گئے ہیں۔

علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری شرح صحیح البخاری میں تحریر کرتے ہیں: طلاق اپنے بعض لغوی مدلول کے عین موافق ہے (فتح الباری لابن حجر ۹/۳۴۶)۔

طلاق کی اصطلاحی تعریف:

بہر حال شروع متن میں طلاق کی تعریف تو فقہاء کے مذاہب کے اختلاف اوران کے الفاظ کے تفاوت کے باوجود طلاق کا معنی متفق علیہ ہے سوائے اس کے کہ بعض نے مخصوص لفظ کے ساتھ بعض قیود کا اضافہ کیا ہے۔

کمال ابن ہمام نے اپنی کتاب ''فتح القدیر'' میں طلاق کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:
رفع قید النکاح بلفظ مخصوص (فتح القدیر ۳/۴۶۳ دار الفکر، بیروت) مخصوص لفظ بول کر قید نکاح کو اٹھالینا۔

امام خطاب رعینی مالکی کہتے ہیں: طلاق ایک ایسی حکمی صفت ہے جو شوہر کو اپنی بیوی سے صحبت کرنے کی حلت کو ختم کر دیتی ہے، آزاد مرد کو دو مرتبہ رجعت کا حق دے کر اور غلام کو ایک مرتبہ رجعت کا حق دے کر (حاشیہ عمیرہ لشہاب الدین عمیرہ ۳/۳۲۴، دار الفکر بیروت ۱۹۹۸ء)۔

امام احمد بن حنبل کے اصحاب طلاق کی تعریف: ''بأنه حل قيد النكاح'' سے کرتے ہیں، یعنی نکاح کے بندھن کو کھول دینا (المغنی لابن قدامہ المقدسی ۸/۲۳۴، دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ)۔

اور شوافع طلاق کی تعریف میں کہتے ہیں وہ شوہر کو دیا گیا وہ حق تصرف ہے جس کو اگر بلا سبب بھی استعمال کرتا ہے تو نکاح کو ختم کر دیتا ہے (مواہب الجلیل شرح مختصر خلیل، لشمس الدین خطاب الرعینی ۵/۲۶۸)۔

مذکورہ تعریفات کی روشنی میں یہ واضح ہو گیا کہ شریعت میں طلاق نام ہے معنوی قید کو ختم کر دینا اور اس کے تحت زوجین کے درمیان مقصود جدائی پیدا کر دینے کا۔

طلاق کی راجح تعریف:

میری نظر میں طلاق کی راجح وپسندیدہ تعریف یہ ہے: مخصوص لفظ کے ذریعہ فوری طور پر یا انجام کار نکاح کی قید سے عورت کو آزاد کردینا (ردالمحتار علی درالمختار لابن عابدین ۳/۲۲۶)۔

میں نے لفظ مخصوص اس لئے استعمال کیا ہے تاکہ طلاق کی اس تعریف سے فسخ نکاح اور خیار عتق، اور نابالغہ منکوحہ کا بالغ ہونے پر اختیار طلاق، اور ارتداد نکل جائے، کیونکہ ارتداد سے نکاح فسخ ہوتا ہے اور اس مسئلہ کو میں نے دوسری جگہ مستقل باب میں بیان کیا ہے جس کو رغبت ہو وہاں دیکھ لے (الاحوال الشخصیۃ فی التشریع الاسلامی لاحمد الغندور، ص: ۳۱۱)۔

مقصد پنجم:

طلاق کی نیت سے شادی کا عام مفہوم

مرد کا عورت سے ایک مقرر مدت کے لئے شادی کرنا دل میں یہ نیت ہو کہ مقررہ مدت ختم ہونے پر عورت کو طلاق دے دے گا، اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی ایسی عورت سے جو شرعاً اس کے لئے حلال ہوسکتی ہے غیر موقت نکاح کرے اور نکاح کے تمام شرعی شرائط کو بھی پورا کرے جیسے ولی کی اجازت، گواہوں کی موجودگی خواہ نکاح کی کاروائی سرکاری رجسٹر پر لکھی جائے یا نہ لکھی جائے اس لئے کہ باتفاق فقہاء اسلام رجسٹرڈ کرانا نکاح کی صحت کے لئے شرط نہیں ہے، اگرچہ موجودہ زمانہ میں نکاح کی کاروائی کا رجسٹرڈ کرانا ضروری ہے کیونکہ اب ایسا ماحول ہے کہ ذمہ داریوں کو پورا کرنے کا مزاج نہیں رہا اور دینی امور میں سرزنش کرنے والے بھی کمزور پڑ گئے ہیں پھر مشرقی ممالک اور مغربی ممالک کے درمیان حکومتیں بٹ گئیں ہیں، ان حالات میں باضابطہ طور پر نکاح نامہ فارم کے قانونی مندرجات کا بھرنا لازم ہوگیا ہے، تاکہ ہر ملک کے رائج قانون کی پابندی ہوسکے اور یہ بھی متعین ہے کہ کس ملک میں موقت ومحدود مدت کے لئے نکاح کا کوئی قانون نہیں ہے، لیکن نکاح کرنے والے نے نکاح کے وقت ہی اپنے دل میں نیت کرلی تھی کہ ایک مقررہ مدت پوری ہونے پر بیوی کو طلاق دے دے گا، تو بظاہر یہ نکاح، شرعی اسلامی نکاح جیسا ہے جو ایجاب وقبول، ولی اور گواہوں کی اجازت اور گواہی نیز دوسرے لازمی امور کی انجام دہی کے ساتھ ہورہا ہے لیکن نکاح کرنے والا اپنے دل میں پختہ عزم کرچکا ہے کہ ایک خاص مدت گزرنے یا کسی وقت بھی جب طبیعت چاہے گی طلاق دیدے گا (الزواج بنیۃ الطلاق لاحمد بن موسی السہلی، ص:۳۱)۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بیوی کو اور اس کے گھر والوں کو اچھی طرح علم ہوتا ہے کہ شوہر چند ماہ یا چند سال میں اس کو طلاق دیدے گا پھر بھی وہ سب اس نکاح سے راضی ہوتے ہیں (جیسا کہ شیعہ حضرات کے مسلک میں متعہ جائز ہے) تو اس صورت میں شوہر پر دھوکہ دہی اور دغابازی کا الزام عائد نہیں ہوتا وہ جب چاہے یا مقررہ مدت پر بیوی کو طلاق دے سکتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بیوی سے الفت پیدا ہو جاتی ہے اور اس کے حسن سلوک اور حسن معاشرت سے متاثر ہو کر طلاق نہیں دیتا اور دونوں محبت بھری خوشگوار زندگی گزارنے لگتے ہیں۔

اور کبھی بیوی، شوہر کی نیت سے لاعلم ہوتی ہے اس کے گھر والے اس شخص سے اپنی لڑکی یا بہن اسی تصور کے ساتھ کرتے ہیں جیسا کہ عام اسلامی ملکوں میں زوجین کا نکاح ہوتا ہے اور جب اپنا مقصد حاصل کر لیتا ہے اپنی تعلیمی مدت اس ملک میں پوری کر لیتا ہے تو اپنے دل کے ارادہ کے تحت اپنی جز وقتی بیوی کو چھوڑ دیتا ہے۔

مذکورہ بالا صورتوں سے مندرجہ ذیل باتیں سمجھ میں آتی ہیں:

ا۔ موجودہ زمانہ میں طلاق کی نیت سے نکاح اپنے متعارف طریقہ (متعہ) کی شکل میں نہیں ہوتا بلکہ متعارف شرعی طریقہ پر ہی ہوتا ہے، طلاق کی نیت شوہر کے دل میں رہتی ہے لیکن ایسا بھی ہوتا ہے کہ شوہر کو بیوی پسند آجاتی ہے تو وہ اپنے ارادہ کو ترک کر دیتا ہے اور مستقلاً بیوی بنالیتا ہے۔

۲۔ الزواج بنیۃ الطلاق کو تمام حالات میں خیانت اور دھوکہ دہی پر محمول نہیں کیا جائے گا کیونکہ نکاح کرنے والی عورت کبھی شوہر کے ارادہ ونیت کو اچھی طرح جانتی ہے پھر بھی اس سے نکاح کرنے پر راضی ہوتی ہے، اور ہماری بحث کا موضوع یہی صورت ہے، اور رہی وہ شادی جس میں نکاح کی شرعی شرطوں میں سے کوئی شرط ٹوٹ گئی تو وہ ہمارا موضوع نہیں اور نہ ہی وہ شادی ہمارا موضوع ہے جس میں متعین مدت کا ذکر ہوتا ہے کہ سال دو سال یا اس سے کم وبیش مدت تک زوجین میاں بیوی رہیں گے اور اس قسم کی شادی اس شرعی حکم کے تحت آتی ہے جس کو عنقریب مقرر

کریں۔

ایسے نکاح کی حاجت کیوں پڑتی ہے:

جو چیز لوگوں کو اس قسم کی شادی کرنے کی دعوت دیتی ہیں اوران میں اس کی رغبت پیدا کرتی ہے وہ ہے سفر کی طوالت اور اپنے اہل وعیال سے دوری اور زنا جیسے جرم سے اپنے آپ کو بچانے میں رغبت، جس کو اسلام نے گناہ کبیرہ قرار دیا ہے اور زنا کے مرتکب غیر شادی مرد وعورت کے لئے سو کوڑا مارے جانے کی حد شرعی مقرر کی ہے اور شادی شدہ مرد وعورت کے لئے سنگسار کرنے کی حد شرعی مقرر کی ہے اور زنا وہ قبیح جرم ہے جس سے مسلمان دور رہتا ہے اور اس کو برا سمجھتا ہے۔

مذکورہ شادی کرنے کا سبب یہ ہوتا ہے کہ بہت سے مسلم نوجوان حصول تعلیم اور تجارت یا دوسری ضروریات کے تحت اپنے وطن سے دور غیر ممالک میں جاتے ہیں اور سفر خرچ کی قلت یا دوسری قانونی مجبوریوں کے باعث اپنی بیوی بچوں کو ساتھ نہیں لیجاتے اور کسی علت کی وجہ سے ان کا یہ سفر بہت دراز ہوجاتا ہے اور وہ یورپ وامریکہ جیسے ملکوں میں عریانیت، بے شرمی کا منظر روز دیکھتے ہیں اور اس ماحول میں ان کو بے باک ونیم عریاں لڑکیوں سے ان کا سابقہ پڑتا ہے جن کے نزدیک عفت وپاکیزگی کا کوئی مفہوم نہیں۔ یہ سب حالات ومناظر طبعی طور پر شہوات کو بھڑکانے کا سبب ہیں اور زنا میں ملوث ہونے کا خطرہ ہردم رہتا ہے، جب کہ ایسے مسلم نوجوان اپنے مذہبی احکام اور اسلامی قانون معاشرت پر کاربند ہوتے ہیں اللہ کا خوف اور یوم حساب کے مواخذہ کا احساس، ان کو زنا سے روکتا ہے نیز یہ بھی ڈر لاحق ہوتا ہے کہ زنا کی صورت میں اخلاقی وسماجی بدنامی کا سامنا کرنا ہوگا اور پھر ایڈز جیسے مہلک مرض کا بھی امکان ہوتا ہے تو ایک طرف زنا کی تمام سہولیات وترغیبات اور وسائل ومواقع ہیں بلکہ کھلے عام دعوت ہے، دوسری طرف ان کا ایمان وعقیدہ اور کردار کی حفاظت کا مسئلہ ہے وہ دوراہے پر کھڑے کشمکش کا شکار ہیں اپنے لئے

پیش آمدہ خطرات سے چھٹکارے کی کوئی راہ نہیں پاتے اور عمر کے لحاظ سے شہوانی جذبات کا بھڑکنا فطری چیز ہے اور ان کی جسمانی وبشری ضرورت کی تکمیل اسی صورت میں ممکن ہے کہ وہ یورپ وامریکہ یا جس ملک میں مدت دراز تک رہنے کا ارادہ ہے تو وہاں کی لڑکیوں سے طلاق دینے کی نیت سے شادی کرلیں اور جب اپنی تعلیم مکمل کرلیں یا ان کا تجارتی وکاروباری کام پورا ہوجائے تو اپنی غیر ملکی بیوی کو طلاق دے کر چلیں آئیں کیونکہ ان کو ساتھ لانے میں ان کے اپنے ملک کی قانونی پیچیدگیاں ہیں یا ان کے ملک کا ماحول ومعاشرہ ان عورتوں کے موافق نہیں ہے یا خود ان نوجوانوں کے گھر کے افراد ان غیر ملکی عورتوں کو قبول کرنے کو تیار نہیں، ان کے علاوہ بھی بہت سارے مسائل ومشاکل پیش آسکتے ہیں۔

ان حالات کا شکار نوجوان، ان ملکوں میں قیام پذیر علماء سے اس قسم کی شادی کے احکام ومسائل پوچھتے ہیں اکثر علماء دوگروپ میں بٹ جاتے ہیں، یا حالات کا شکار افراد اپنے ان ساتھیوں سے رجوع کرتے ہیں جن کو فتوی کے امور میں مہارت نہیں ہوتی تو بعض علماء جواز کا فتوی دیتے ہیں اور دوسرے علماء اس نکاح کے عدم جواز اور حرمت کا فتوی دیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سوال کرنے والے افراد حلال وحرام اور جائز وناجائز کے احساس کے درمیان معلق رہتے ہیں کہ کریں تو کیا کریں یہاں تک کہ بسا اوقات تمام رکاوٹیں پار کرجاتے ہیں اور زنا کی حرمت کو خاطر میں نہ لاکر اس کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں (الاحوال الشخصیۃ الزواج لاحمد الحجی الکردی، ص: ۲۱۲-۲۱۳)۔

دوسری بحث

اسلام میں شادی کا حکم

مقصد اول:

اسلام میں شادی کا حکم:

شادی کرنے کا نظام اللہ تعالی کا تخلیقی وتکوینی فیصلہ ہے اور یہ نظام صرف انسانوں ہی میں جاری وساری نہیں بلکہ حیوانات ونباتات سب اس سے جڑے ہوئے ہیں کوئی اس سے علاحدہ اور جدا نہیں، اللہ تعالی نے اپنی کتاب مقدس میں فرمایا: "**ومن کل شیئی خلقنا من زوجین لعلکم تذکرون**" (الذاریات) (اور ہر چیز کے ہم نے جوڑے بنائے تا کہ تم نصیحت حاصل کرو)۔

دوسری جگہ ارشاد باری ہے: "**سبحان الذی خلق الأزواج کلها مما تنبت الأرض ومن أنفسم ومما لا یعلمون**" (یس) (پاک ہے وہ ذات جس نے ہر چیز کے جوڑے جوڑے بنائے، اس پیداوار کے بھی جو زمین اگاتی ہے اور خود انسانوں کے بھی، اور ان چیزوں کے بھی جو لوگ جانتے بھی نہیں)۔

توالد وتناسل کا سلسلہ قائم رہے اور دنیا اپنی صحیح ڈگر پر قیامت تک چلتی رہے نیز لوگ باہمی تعاون وہمدردی کے ساتھ اپنے مقصد حیات پر کاربند رہیں ان اعلی مقاصد کے حصول کے لئے اللہ تعالی نے جو طریقہ ایجاد کیا وہ یہی نکاح اور شادی کا مروج طریقہ ہے، ارشاد باری تعالی

ہے:"**يا أيها الناس إنا خلقناكم من ذكر وأنثى وجعلناكم شعوباً وقبائل لتعارفوا إن أكرمكم عند الله أتقاكم**" (حجرات) (اے لوگو! حقیقت یہ ہیکہ ہم نے تم کو ایک مرد وعورت سے پیدا کیا، اور تمہیں مختلف قبیلوں اور خاندانوں میں تقسیم کیا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، پس اللہ کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ عزت والا وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو)۔

اللہ تعالی کو یہ بات بالکل پسند نہیں کہ انسان اپنی جنسی خواہشات کو پورا کرنے میں بے مہار ہو اور مرد وعورت کا ایک دوسرے سے لطف اندوم ہونے کے لئے شریعت کا کوئی قاعدہ اور اصول وضع نہ کرے۔

چنانچہ اللہ رب العزت نے اس کے لئے ایسا مناسب طریقہ ایجاد کیا جس سے انسان کی شرافت وکرامت پر فرق نہ آئے، بلکہ وہ مختلف نوع کے اعزاز واکرام کے ساتھ ساتھ صالح معاصرے کا ضامن بھی ہو، اس لئے اسلام نے شادی اور نکاح کی ترغیب بھی دی ہے اور اسے انبیاء ورسل کی مشترکہ سنت بتلایا ہے جس پر عمل کرنا اور جن کی اقتدا کرنا عین منشأ خداوندی ہے، قرآن کہتا ہے:"**ولقد أرسلناك رسلاً من قبلك وجعلنا لهم أزواجاً وذريةً**" (الرعد) (تحقیق کہ ہم نے تم سے پہلے بہت سے رسولوں کو بھیجا اور ان کے لئے بیویاں اور اولاد بنایا)۔

اور ترمذی شریف کی حدیث میں ہے:"**عن أبي أيوب قال: قال رسول اللهﷺ: أربع من سنن المرسلين الحياء والتعطر والسواك والنكاح**" (ترمذی کتاب النکاح، باب ما جاء فی فضل التزاویج) (کہ آپﷺ نے فرمایا: چار چیزیں انبیاء کی سنت ہیں، حیاء، عطر لگانا، مسواک کرنا، شادی کرنا)۔

اللہ تعالی نے ایک جگہ بندوں پر اپنے احسانات کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:"**والله جعل لكم من أنفسكم أزواجاً وجعل لكم من أزواجكم بنين وحفدة ورزقكم**

من الطيبات أفبالباطل يؤمنون وبنتمعة الله هم يكفرون" (النحل) (اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائی اور ان سے بیٹے اور پوتے پیدا کئے اور عمدہ عمدہ چیزیں کھانے کو دی تو کیا اب بھی وہ باطل معبودوں پر ایمان لائیں گے اور خدا کا انکار کریں گے)۔

ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے اس نظام تکوینی کو اپنی قدرت کی ایک نشانی کے طور پر بیان کیا ہے، چنانچہ فرمایا: "**ومن آياته أن خلق لكم من أنفسكم أزواجاً لتسكنوا إليها وجعل بينكم مودة ورحمة إن في ذلك لآيات لقوم يتفكرون**" (الروم) (اور اس کی ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے تم ہی میں سے تمہارے بیویاں پیدا کی تاکہ تم اس کے پاس جا کر سکون حاصل کرو، اور تمہارے درمیان محبت ورحمت کے جذبات رکھ دیئے، یقیناً اس میں ان لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو غور وفکر سے کام لیتے ہیں)۔

شادی کی مشروعیت:

شادی کا جواز اور مشروعیت کتاب وسنت اور اجماع تینوں سے ثابت ہے، چنانچہ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے: "**فانكحوا ما طاب لكم من النساء مثنى وثلث ورباع**" (النساء) (تو نکاح کرو جو عورت تمہیں بہتر لگے دو دو، تین تین اور چار چار سے)۔

دوسری جگہ ہے: "**وأنكحوا الأيامى منكم والصالحين من عبادكم وإمائكم إن يكونوا فقراء يغنهم الله من فضله والله واسع عليم**" (النور) (اور نکاح کراؤ جن کی شادی تم میں سے ابھی نہ ہوئی ہو، اور اسی طرح جو غلام اور باندیاں بھی شادی کے لائق ہوں، اگر وہ تنگ دست ہوں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں مالدار کردے گا، اللہ بڑی وسعت والا اور ہر چیز کی خبر رکھنے ولا ہے)۔

رہی بات حدیث کی تو سنئے آپ ﷺ نے فرمایا: "**يا معشر الشباب من استطاع**

منکم الباء ۃ فلیتزوج ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فإنہ لہ وجاء" (رواہ البخاری عن عبد اللہ بن مسعودؓ، ومسلم فی کتاب النکاح ورواہ ابن ماجہ) (یعنی اے نوجوانو! تم میں سے جو شادی کی استطاعت رکھتا ہو اسے شادی کر لینا چاہیئے ورنہ تو پھر اسے روزہ رکھنا چاہیئے کیونکہ وہ اس کے لئے ڈھال بنے گا)۔

اس کے علاوہ بھی بہت سی روایتیں ہیں جن سے اس کا کلی جواز ثابت ہے نیز مسلمانوں کا قدیم زمانے سے نکاح کی مشروعیت پر اتفاق رہا ہے۔

دوسرا مطلب:

اسلام میں شادی کی غرض وغایت

شریعت کے تمام احکام کا خلاصہ اللہ ربع العزت کے دربار میں اظہار بندگی و نیاز مندی ہے اور بندہ بجاطور پر اس کی عبادت و بندگی کے ذریعہ بارگاہ ذوالجلال میں اجر وثواب کا مستحق ہوتا ہے، اس لئے ہر حکم شرعی کی علت اور اصلی غرض وغایت تلاش کرنے کی چنداں ضرورت نہیں، اور نہ ہی اس پر اللہ کے دربار میں کامیابی کا دارومدار ہے پھر بھی اگر کوئی متلاشی احکام شرعیہ کی حکمت ومصلحت جاننا چاہے تو اسے کسی قدر مل ہی جاتی ہے ہم نکاح اور شادی کی مصلحت ومنافع کو آئندہ بیان کریں گے۔

اول: نکاح بندگی اور ثواب کا ذریعہ ہے:

معلوم ہونا چاہئے کہ سوائے نکاح کے کوئی اور ایسی عبادت نہیں ہے جو آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک اور دنیا سے لے کر آخرت تک برقرار ہے نکاح اور ایمان کو یہ شرف حاصل ہے اسی سے اس کی عظمت اور ضرورت سمجھی جاسکتی ہے۔

بلقینی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: نکاح آدم علیہ السلام سے آج تک بلکہ اس کی مشروعیت بعد مرنے کے جنت تک باقی رہے گی ایمان کے سوا معاملات کی لائن سے یہ سب سے بڑی عبادت ہے جس کی کوئی اور نظیر ہمیں دکھائی نہیں دیتی (محمد الخطیب الشربینی، مغنی المحتاج إلی معرفۃ معانی ألفاظ المنہاج)۔

شادی فقط ایک طبعی ضرورت یا زندگی کو سرد وگرم، رنج وخوشی سے مرکب ایک نئی شاہراہ

حیات پر لگانے کا نام نہیں بلکہ ازقبیل عبادت ایک اہم چیز ہے اس کو پورا کرنے والا متبع سنت اور شریعت کے مطالبے کو دل سے ماننے والا کہا جائے گا، چنانچہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وإن خفتم ألا تقسطوا فی الیتامی فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنی وثلث ورباع'' (النساء) (پس اگر خوف ہو کہ تم یتیموں میں انصاف قائم نہ کرسکو گے تو نکاح کو لو جو تمہیں بہتر لگے دو دو تین تین یا چار چار کرکے)۔

شادی اور نکاح کرنا یہ عین اسوۂ رسول اکرم ﷺ کو اپنانا ہے چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''النکاح من سنتی'' (ابن ماجہ، کتاب النکاح)، اور سعید ابن ہلالؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تناکحوا تکثروا فإنی أباهی بکم الأمم یوم القیامة'' (مصنف عبدالرزاق) (نکاح کروتا کہ تمہاری تعداد زیادہ ہو کیونکہ میں قیامت کے دن دیگر امتوں کے مقابل اپنی امت کی کثرت پر فخر کروں گا)۔

بایں ہمہ شادی سے انسان اپنے نصف دین کو محفوظ کر لیتا ہے اور پروردگار سے بہتر سے بہتر حال میں ملاقات کرتا ہے، حضرت انسؓ سے مروی ہے آپ ﷺ نے فرمایا: ''من رزقه الله امرأة صالحة فقد أعانه علی شطر دینه فلیتق الله فی الشطر الثانی'' (المستدرک علی الصحیحین، البیہقی فی شعب الایمان) (یعنی جس کو اللہ نے نیک بیوی دی تو دین کے ایک بڑے حصے پر اللہ نے اس کو مدد کی اسے بقیہ حصے کے متعلق اللہ سے ڈرنا چاہئے)۔

شادی کے متعلق یہ بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ یہ وطی اور اپنی نفسانی وطبعی خواہش پوری کرنے کے ذریعہ اجر وثواب حاصل کرنا ہے اور حلال طریقہ سے جنسی ضرورت پورا کرکے نفس کو خدائے ذوالجلال کی نافرمانی سے بچانا ہے، حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وفی بضع أحدکم صدقة، قالوا: یا رسول الله أیأتی أحدنا شهوته ویکون له فیها أجر؟ قال: أرأیتم لو وضعها فی حرام أکان علیه فیها وزر؟ فکذلک إذا وضعها فی الحلال کان له أجر'' (آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا اپنی بیویوں کے پاس آنا

بھی صدقہ ہے، صحابہ کرام نے پوچھا: اے اللہ کے رسول کیا ہمارا اپنی بیویوں کے پاس شہوت پوری کرنے کے لئے آنے میں بھی اجر ہے، فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے اگر وہ اپی اس خواہش کو حرام جگہ میں پوری کرتا تو اسے گناہ ہوتا کہ نہیں؟ تو اسی طرح جب اس نے حرام سے بچا کر حلال جگہ میں اپنی خواہش پوری کرتا ہے تو اس کے لئے بلا شبہ اجر ہوگا)۔

مزید برآں یہ شادی نیک اولاد پیدا کر کے لامتناہی اجر وثواب کا بہت مضبوط ذریعہ ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "**إذا مات الإنسان انقطع عنه عمله إلا ثلاث إلا صدقة جارية أو علم ينتفع به أو ولد صالح يدعو له**" (مسلم کتاب الوصیۃ، باب مایلحق الانسان من الثواب بعد وفاتہ) (آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب انسان مر جاتا ہے اس سے نامۂ اعمال کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے ہاں مگر تین راستہ کھلا رہتا ہے جس سے اسے اجر وثواب ملتا رہتا ہے، (۱) صدقہ جاریہ، (۲) علم جس سے بعد کے لوگ فائدہ اٹھائیں، (۳) اولاد صالح جو والدین کے لئے دعا کریں)۔

ابن جوزیؒ نے فرمایا: "**رب جماع حدث منه ولد مثل الشافعي وأحمد بن حنبل فكان خيراً من عبادة ألف سنة**" (یعنی بہت سی وطی ایسی ہوتی ہے جس سے امام شافعی وامام احمد بن حنبل جیسے لوگ پیدا ہوتے ہیں تو پھر یہ ہزاروں سال کی عبادت سے بہتر ہوتی ہے)۔

مختلف روایتوں سے یہ بات بھی اچھی طرح ثابت ہے کہ بیوی سے ہم بستری آل والاد پر خرچ کرنا، کسی کے بچے کا اپنے بچپن ہی میں انتقال کر جانا اور اپنے بعد اچھی اور صالح اولاد کو چھوڑ کر مرنا یہ سب کار ثواب اور باعث اجر ہیں، لہذا جو شخص اولاد کے حصول اور شادی کرنے سے پہلو تہی کرتا ہے وہ مسنون طریقے کی مخالفت کرنے والا کہا جائے گا اور بہت سارے ثواب سے محروم الگ رہی نکاح اور شادی میں ایک اور فائدہ ہے وہ یہ کہ اس کے لئے اولاد کی تربیت اور

اہل خانہ پرخرچ کرنے کی فضیلت حاصل ہوتی ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: "**ولن تنفق نفقة تبتغي بها وجه الله إلا أجرت عليها حتى ما تجعل في في أمرأتك**" (البخاری فی کتاب المرضی) (یعنی جو کچھ رضائے الٰہی کے لئے خرچ کروگے ہر ایک پر اجر کا وعدہ ہے یہاں تک کہ جولقمہ تم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالتے ہو اس پر بھی)۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ شادی اپنے اندر کتنے زیادہ اجر وثواب اور فوائد وبرکات کو لئے ہوئے ہے، اور یہ بلاشبہ بہت بڑی عبادت ہے اگر اپنی نفس کی حفاظت اور نیک اولاد کے حصول کے لئے ہو۔

دوسرا فائدہ: نسل اور توالد وتناسل کا استمرار:

نکاح اور شادی نسل ونسب کی بقا اور تحفظ کے لئے ایک انسانی ضرورت ہے، اسی پر اللہ تعالی کی مسخر کی ہوئی کائنات کی آبادکاری موقوف ہے، قرآن کہتا ہے: "**هو أنشأكم من الأرض واستعمركم فيها**" (ہود) (کہ اللہ انسان کو زمین سے نکالا اور اسے اس پر آباد کیا)۔

اگر نکاح اور اس کے ذریعے وجود میں آنے والے توالد وتناسل کے سلسلہ کو بند کردیا جائے تو پھر انسان خلافت ارضی کا مالک کیسے رہ سکتا ہے جبکہ حضرت انسان کو خدائے تعالی نے خلافت فی الارض کا تاج پہنایا ہے، ارشاد ہے: "**وهو الذي جعلكم خلائف الأرض**"، روئے زمین کی آبادکاری اور اس کی خلافت کسی ایک فرد بشر سے تو ممکن ہی نہیں چاہے جتنی عمر دراز ہوجائے یا اسے بے پناہ قوت وشوکت حاصل ہوجائے، اس کے لئے تو کثرت اور جماعت درکار ہے اسی لئے شادی خدا کی اس کائنات کی بقا وتعمیر کے لئے ایک ناگزیر امر قرار پائی، لہذا اللہ نے انسانوں پر کرم فرمایا، اور توالد وتناسل کے اس طبعی نظام کو اپنی محبوب شریعت کا جز بنادیا، "**وبث منهما رجالاً كثيراً ونساء**" (یعنی اللہ نے آدم وحوا سے بہت سارے مرد وعورت کو روئے زمین پر آباد کیا)۔

اس کائنات کے تمامتر نظام رب کائنات کے ترتیب دیئے ہوئے ہیں اور یہ بغیر توالد اور افزائش نسل کے ممکن نہیں، اللہ تعالی نے تکوینی طور پر مردوعورت کے دل میں ایک دوسرے سے ملنے کی طلب اور حصول اولاد کی تمنا پیدا کی، اور اس کے لئے بڑی بڑی قربانیاں ان کے نزدیک آسان بنادیا، غرضیکہ مذکر ومونث کے درمیان پایا جانے اولا یہ ملاپ اور ایک دوسرے کے پہلو میں ہوکر ذہنی سکون پانے کا یہ رجحان اللہ کی ایک عظیم حکمت اور اس کا راز ہے، اللہ تعالی قرآن مبین میں ایک جگہ اپنے بندوں سے مخاطب ہے:"**فالآن باشروھن وابتغوا ما کتب اللہ لکم**" (چنانچہ اب اپنی بیویوں سے ملو اور حاصل کرو جو کچھ اللہ نے تمہارے لئیل مقدر فرمارکھا ہے)۔

ابن عباسؓ، مجاہدؒ، عکرمہؒ، حسن بصریؒ، سدی اور ضحاکؒ کے نزدیک اس سے مراد اولاد ہے، اور ایک بڑی حکمت یہ بھی ہے کہ جب اللہ نے انسان کو بقیہ مخلوقات پر فضیلت عطا کی تو اس کا تقاضا بھی یہ تھا کہ اس کے لئے اس کی کرامت وشرافت کے مناسب کوئی پاکیزہ اور بہتر طریقہ وضع کیا جائے۔

ابن جوزیؒ فرماتے ہیں: میں نے نکاح کے فوائد ومصالح میں بہت غور وفکر کیا تو اس نتیجے پر پہنچا کہ اس کی سب سے بڑی بنیاد نسل کا وجود ہے (زادالمعاد فی ہدی خیر العباد لابن قیم)۔

ابن قیمؒ نے فرمایا: نکاح کی وضع تین بنیادی مقصد کے لئے ہوئی ہے جن میں سے ایک نسل نو کا وجود ہے جو قیامت تک باقی رہے (زادالمعاد فی ہدی خیر العباد لابن قیم)۔ اور یہ بات تو معروف ومشہور ہے کہ شریعت اسلامیہ نے اسے دین کا ایک حصہ اسی لئے قرار دیا ہے کہ نسل نو وجود میں آئے اور دنیا اپنے اصولوں پر قیامت قائم ہونے تک چلتی رہے۔

تیسرا فائدہ: شیطان سے حفاظت، نگاہ اور شرم گاہ کا کنٹرول:

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ اللہ تعالی نے انسان کے اندر ایک جنسی ہیجان

اور ایک شہوانی مادہ رکھا ہے، جب بچہ سن بلوغ کو پہنچتا ہے تو یہ چیزیں اس کے اندر وجود پذیر ہوتی ہیں۔ ابن جوزیؒ فرماتے ہیں: میں نے مزید نکاح کی مصلحت میں غور کیا تو ایک بات یہ بھی سمجھ میں آئی کہ اگر شادی نہ ہو اور جسم میں پیدا ہونے والا مادۂ منویہ شادی کے ذریعہ خارج نہ ہو تو پھر اس کے بخارات دماغ تک چڑھیں گے اور انسان نوع بنوع کے امراض کا شکار ہو جائے گا لہذا شادی اور بیاہ کا شرعی طریقہ طبیعت اور نفس کی سیرابی اور خواہش جنسی کی تکمیل کا سب سے بہتر طریقہ ہے، اس سے طبیعت کا ہیجان اور نفس کا انتشار ختم ہوتا ہے، نتیجتاً انسان حرام کی طرف نظر نہیں کرتا بلکہ اپنے حلال پر اکتفا کرتا ہے۔

چوتھا فائدہ: طبعی فرحت وراحت کا حصول:

جب ہم نکاح کی حقیقت پر نظر ڈالتے ہیں اور اللہ کی حکمت ومصلحت کو تلاش کرتے ہیں تو طبعی مسرت وانبساط اور سکون وطمانینت بھی ایک بڑا مقصد بن کر سامنے آتا ہے، قرآن میں ہے: ''**ومن آياته أن خلق لكم من أنفسكم أزواجاً لتسكنوا إليها وجعل بينكم مودة ورحمة**'' (الروم) (اللہ کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے تمہارے لئے بیویاں بنائیں تاکہ تمہیں اس سے سکون میسر ہو اور تمہارے درمیان محبت ورحمت کو پیدا کیا)۔

چنانچہ مودت ورحمت کے لفظ سے اللہ تعالی کا منشا واضح ہو جاتا ہے اس آیت میں مودت کا لفظ رحمت سے پہلے ہے اس لئے کہ محبت کے نتیجے میں رحمت ورأفت کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔

شعراویؒ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ لتسکن کے لفظ سے معلوم ہوا کہ یہی اصل غرض ہے کہ دونوں کو ایک دوسرے سے تسلی اور سکون حاصل ہو۔

انسان دنیا کے اندر مختلف میدان کی محنت کرتا ہے اور دن بھر کی سعی اور دوڑ دھوپ سے

اس میں تھکاوٹ پیدا ہوجاتی ہے اوراس کی طبیعت آرام وراحت کی طرف مائل ہوتی ہے اور جب وہ سونے جاتا ہے تو وہ بسااوقات تعب سے بالکل نڈھال رہتا ہے اسے وقت اسے دل لگی کے لئے اورمرغوب وپسندیدہ چیز کی اپنے پاس تلاش ہوتی ہے لہذا نکاح کے ذریعہ اللہ تعالی نے اس کے لئے دل بستگی کا سامان فراہم کیا جس سے وہ آئندہ دن کے لئے پھرچاک وچوبند ہوجاتا ہے۔ پھر یہی نہیں کہ صرف اس کے ذریعہ سکون فراہم کیا بلکہ مزید برآں مودت ورحمت بھی پیدا کردی اس لئے کہ دونوں مل کراپنی ازدواجی زندگی کو پارلگاتے ہیں دونوں کے مابین الف ومحبت ہی کا اثر ہوتا ہے کہ دونوں دن بھر کے کاموں اورگھریلو انتظامات او ربال بچوں کی پرورش وپرداخت میں ایک دوسرے کا تعاون کرتے ہیں۔

انسان کواپنی زندگی میں مختلف حالات سے گذرنا پڑتا ہے، کبھی وہ صحت مند ہوتا ہے کبھی بیمار، کبھی وہ امیر ہوتا ہے کبھی مفلس وتنگ دست، ایسے حالات میں میاں بیوی ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہیں، اگر نکاح مشروع نہ ہوتا تو ہرایک کی اپنی زندگی دشوارگزار ہوجاتی اور جینے کا لطف جاتا رہتا۔

تیسرا مطلب:

اس میں مسئلے ہیں

پہلا مسئلہ:

معاملات میں غلط نیت کی تاثیر:

اسلامی شریعت نے عقود ومعاملات میں اوراس کی تخلیق وتنفیذ میں عاقد یا عاقدین کی نیت وارادہ کا بھرپور لحاظ کیا ہے، حسن نیت کی بنیاد پر ہی عقد قائم رہتا ہے اوراس کے فساد سے غش، دھوکا اورفریب وغیرہ وجود میں آتا ہے، چنانچہ امام بخاری ومسلمؒ نے حضرت عمر بن خطابؓ سے ایک حدیث روایت کی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "**إنما الأعمال بالنيات وإنما لكل امرئ ما نوى، فمن كانت هجرته لله ورسوله فهجرته إلى الله ورسوله الخ**" (کہ بس اعمال کی قدراوراس کے اچھے برے نتائج نیت پر موقوف ہیں، ہر آدمی کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی ہے جس کی نیت اللہ اوراس کے رسول کے لئے ہوتو اس کی ہجرت اللہ اوراس کے رسول ہی کی طرف مانی جائے گی، اورجس کی نیت کمانا ہوتو اسے وہی چیز ملے گی اورجس کی ہجرت کسی عورت سے شادی کرنے کے لئے ہوتو اس کی ہجرت اسی کی طرف مانی جائے گی۔

اس حدیث کی صحت پر کسی کو کلام نہیں ہے، اوراسے وقت میں قبولیت عامہ کا درجہ حاصل ہے، چنانچہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث تہائی علم ہے اورفقہ کے ستر بابوں میں سے ایک باب ہے۔

امام احمد نے فرمایا: اسلامی اصول کی اساس تین حدیث ہے، (۱)"**إنما الأعمال بالنیات**"، (۲) حدیث عائشہ: "**من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس منه فهو رد**"، (۳) حدیث نعمان بن بشیر: "**الحلال بین والحرام بین**" (بخاری)۔

ہماری گفتگو کا موضوع عقود ومعاملات میں تینوں کے اثرات اور اس کے سبب معاملات میں تبدیلیوں کا عمل ہے، لہذا ہم آئندہ سطور میں اسے کچھ تفصیل سے ذکر کرتے ہیں۔

اس موضوع کے ذیلی عنوانات تین نکلیں گے:

۱۔ عقود ومعاملات میں مقاصد ومعانی اور نیت کا اعتبار ہے، یا ظاہری الفاظ وصیغے کا؟

۲۔ کیا غلط محرکات اور مقاصد عقد کے قائم ہونے میں رکاوٹ بنتے ہیں؟

۳۔ عقود میں غیر صحیح نیتوں کے اثرات کہاں تک موثر ہوتے ہیں۔

چنانچہ جاننا چاہئے کہ فقہاء کرام کی پہلے جز میں دو رائے ہے، امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ عقود میں عاقدین کے ظاہری الفاظ اور جملے کافی ہیں دل کی نیت کا الفاظ ظاہرہ کے موافق ہونا ضروری نہیں ہے، اس لئے کہ اپنے اپنے احوال وکوائف کے اعتبار سے انسان کے مقاصد اور محرکات الگ الگ ہوسکتے ہیں، لہذا شریعت کسی کے اندرونی اور قلبی ارادے جانچنے پرکھنے کا مکلّف نہیں بناتی، ہاں اگر کوئی اپنے باطنی ارادے کو عند العقد ظاہر کردے یا عقد کے وقت بولے جانے والے الفاظ اس کے باطنی ارادے کو متضمن ہوں تو پھر اس کا لحاظ ہوگا، جیسے شرط فاسد یا معاصی وغیرہ کی نیت سے کوئی معاملہ کرنا۔

امام ابوحنیفہؒ وشافعیؒ نے بجا طور پر فرمایا کہ جب عقد کے ارکان اساسیہ موجود ہیں تو پھر نیت ٹٹولنا کوئی ضروری نہیں پھر آدمی نیت کو کہاں تک صحیح طور پر ٹٹول سکتا ہے۔ بسا اوقات کوئی عقد معصیت کی نیت سے کرتا ہے مگر عقد کے بعد وہ معصیت کرنے سے باز رہتا ہے اور دوسرا شخص ایسا ہے کہ عقد کے وقت کوئی نیت نہ تھی مگر عقد کے بعد وہ طرح طرح کی معصیت میں مبتلا ہوجاتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مذکورہ دونوں حضرات داخلی اسباب ومحرکات کوعقد صحیح ہونے کی شرط نہیں مانتے۔ دوسری رائے کے قائل مالکی وحنبلی حضرات ہے اورانہی کے ساتھ اصحاب ظواہر اور شیعہ بھی ہیں، یہ حضرات قصد وارادہ اور نیت ومحرک کو بھی عقد میں دخیل مانتے ہیں اور ایسے عقد کو فاسد کہتے ہیں جس کا باعث اور محرک کوئی غیر شرعی امر ہو، اور اس کا علم طرف آخر کو ہو یا ہوسکتا ہو، جیسے دشمن بالمقابل فوج کے قائل کو ہدیہ بھیجنا یا سرکاری افسران وملازمین کو گفٹ روانہ کرنا اس لئے کہ اس ہدیہ سے رشوت ہی کی نیت زیادہ ہوتی ہے یا بیوی کو اپنے شوہر کے لئے ہدیہ روانہ کرنا اس سے بھی نکاح کو باقی رکھنے کا مطالبہ مراد ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ اگر باعث غیر مشروع امر ہو تو پھر عقد درست نہیں ہے خواہ وہ مذکور ہو یا یا نہ ہو لیکن شرط اس میں بھی لگے گی کہ طرف آخر کو غیر صحیح باعث ومحرک کا علم ہو جائے۔ دلیل کے طور پر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ نیت وارادہ ہی عمل کی روح ہے، یہ رجحان نکاح کے بنیادی مقاصد اور حقیقی اسباب کو سامنے رکھ کر ہے (وہبۃ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، سوریا، دمشق)۔

ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ عقود وافعال میں اعتبار مقاصد وحقائق کا ہوتا ہے نہ کہ ظواہر افعال والفاظ کا جو لوگ مقصود سے صرف نظر کی بات کرتے ہیں انہیں چاہئے کہ شراب بنانے والے کو اگر انگور یا اس جیسی چیز نچوڑتے ہوئے دیکھیں تو اس پر لعنت نہ بھیجیں اگر چہ طے ہو کہ وہ اس سے انگور ہی بنا کر بیچے گا حالانکہ اسلامی شرعی قواعد مقاصد ومعتقدات کا لحاظ جیسے تقربات وعبادات میں کرتے ہیں ایسے ہی افعال واعمال میں کرتے ہیں، بہت سے امور تو نیت ہی پر موقوف رہتے ہیں نیت وارادہ درست ہے تو وہ کام جائز اور اگر نیت غلط تو وہ کام ناجائز اور حرام بن جاتا ہے۔

دوسرا مسئلہ:

عقد نکاح میں طلاق کی نیت کو دل میں پوشیدہ رکھنے کا اثر:

جاننا چاہئے کہ ہر کام سے پہلے دل میں اس کا ارادہ اور اس کی نیت پیدا ہوتی ہے او رفعل کا خاکہ پہلے ذہن میں تیار ہوتا ہے بلکہ کہا جائے کہ نیت ہی انسان کو فعل کی طرف متوجہ کرتی ہے یہ فقط انسانی ذہن میں پیدا ہونے والی کوئی بے اثر شئی نہیں بلکہ نیت وارادہ ہر کام کی اساس اور جڑ ہے، زیر بحث موضوع یعنی طلاق دینے کی نیت سے شادی کرنا جبکہ یہ نیت عزم مصصم کی حد تک پہنچ چکی ہو اب اس کا حکم کیا ہے، یہ عزم عقد نکاح کی صحت میں کوئی خلل ڈالے گا؟ یا عقد کی صحت وبطلان پر اس نیت کا کوئی اثر پڑے گا؟ تو اس مسئلے میں درحقیقت فقہاء کرام کی دو رائے ہے:

جمہور فقہاء حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ میں سے ابن قدامہؒ کا مسلک یہ ہے کہ نکاح میں کسی وقت کی نیت دل میں رکھنا اس سے نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، چنانچہ اگر کسی نے اس انداز پر نکاح کیا تو نکاح درست ہوگا اور وقت کی تحدید لغو ہو جائے گی البتہ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ کس وقت خاص تک نکاح کو باقی رکھنے کی نیت سے نکاح کرنا مکروہ ہے، کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ امر جس کے ظاہر کرنے سے عقد باطل ہو جاتا ہے اس کے دل میں چھپانے سے وہ عقد مکروہ ہو جاتا ہے (الموسوعۃ الفقہیہ)۔

بعض فقہاء کرام کی آراء ملاحظہ فرمائیں:

امام کاسانیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی عورت نے اس نیت سے نکاح کیا کہ وہ پہلے شوہر کے لئے حلال ہو جائے لیکن بوقت نکاح اس کی شرط نہیں لگائی گئی بلکہ ایک یا دونوں نے اس نیت کو اپنے دل میں چھپایا تو نکاح درست ہوگا، فقط دل میں نیت وارادے کا ہونا معاملات میں بغیر ذکر کئے موثر نہیں ہے، چنانچہ وہ عورت پہلے شوہر کے لئے حلال ہو جائے گی اگر دوسرے شوہر نے طلاق دے دیا ہو۔

اور اصبغؒ نے فرمایا: میرے نزدیک اگر نافیت کو دل میں چھپائے تو میرے نزدیک نکاح فسخ نہیں ہوگا، لہذا اگر نکاح کرے اور نیت کچھ دن کے بعد بیوی سے الگ ہونے کی ہو تو نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا (شرح مبادۃ الفاسی)۔

اور شرح زرقانی موطا امام مالک میں ہے کہ امت کے سواد اعظم کا اس پر اجماع ہے کہ جس نے نکاح کیا اور دل میں ارادہ کچھ دن بعد الگ ہونے کا ہے تب بھی نکاح درست ہے اور اسے نکاح متعہ نہیں کہا جائے گا، لیکن امام مالکؒ نے اتنا کہا کہ یہ بہتر کام نہیں اور یہ اسلامی اخلاق نہیں ہے، امام اوزاعیؒ اس معاملے میں تھوڑا اعلاحدہ نظر آتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ یہ نکاح متعہ ہے، اور عیاضؒ کہتے ہیں کہ اس میں کوئی خیر نہیں ہے، اور کتاب ''التاج والاکلیل'' میں ہے کہ اگر کسی مقام پر کوئی عورت اچھی لگ جائے تو نکاح کر کے اسے حاصل کرنا جائز ہے، اور تاقیت کی نیت لغو ہو جائے گی، اور اشہبؒ نے مالکؒ سے روایت کیا ہے کہ ایسے موقع پر نیت تاقیت سے کوئی نقصان نہیں۔

امام شافعیؒ نے فرمایا: اگر کوئی کسی شہر میں آئے اور اس کی طبیعت نکاح کرنے کو چاہے اور پھر مرد وعورت دونوں کی نیت یہ ہو کہ جب تک اس شہر میں شوہر کا قیام ہے تبھی تک نکاح کو باقی رکھنا ہے یا دو دن یا تین دن مثلاً بیوی کو نکاح میں باقی رکھوں گا تو اس نیت میں شوہر کی نیت کا اعتبار ہوگا یا بیوی کی نیت کا یا دونوں کی نیت کا یا پھر ساتھ میں ولی کی بھی نیت کا؟ اعتبار چاہے جس کا ہو مگر یہ کہ جب دونوں عقد نکاح کر لیں عام قاعدے کے موافق کوئی شرط نہ لگی ہو تو نکاح درست ہے، محض چھوڑنے کی نیت سے نکاح فاسد نہ ہوگا، اس لئے کہ نکاح تو دل کا ایک وسوسہ اور میلان ہے اور اللہ تعالی نے انسانوں سے اس کے وسوسہ کی چیزوں کو درگزر کر رکھا ہے، نیز اس لئے بھی کبھی انسان ایک کام کا ارادہ کرتا ہے مگر پھر اسے انجام نہیں دے پاتا اور کبھی انجام بھی دے لیتا ہے تو اعتبار فعل اور اس کے لئے الفاظ ذکر کرنے کا ہوگا محض دل کے خیالات کا کوئی اعتبار نہیں (الام للشافعی)۔

امام نوویؒ نے شرح مسلم میں فرمایا کہ قاضیؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں کا اس مسئلے پر اجماع ہے کہ جس نے مطلقاً نکاح کیا اور شوہر کی نیت بیوی کو کچھ مدت تک رکھنے کی ہو تو نکاح صحیح ہوگا، اور حلال ہوگا یہ نکاح متعہ نہیں ہوگا، کیونکہ متعہ میں بوقت نکاح کچھ مدت کی شرط لگانا ضروری ہے جب کہ یہاں فقط دل کا خیال ہے، ہاں امام مالکؒ کہتے ہیں کہ یہ اخلاق سے گری ہوئی بات ہے لیکن امام اوزاعی اسے نکاح متعہ کہنے سے کم پر راضی نہیں ہیں (المنہاج شرح صحیح مسلم لابن حجاج)۔

شوافع حضرات اس جیسے نکاح کو مکروہ گردانتے ہیں، اور نہایۃ المحتاج کے حوالہ سے یہ بات بڑی مضبوطی سے کہتے ہیں کہ اس نیت سے نکاح میں کوئی خلل نہیں، مکروہ ہونے کی وجہ ماقبل میں گذری کہ ہر وہ چیز جس کا عقد و معاملے میں بیان کر دینا فاسد ہونے کا سبب بنتا ہے اس کا دل میں رکھنا بھی مکروہ ہے (نہایۃ المحتاج)۔ چنانچہ شوافع کے نزدیک نکاح درست ہوگا مگر مذکورہ قاعدے سے مکروہ ضرور ہوگا۔

اور مغنی میں ابن قدامہ کہتے ہیں کہ اگر عورت سے کسی نے بلا کسی شرط کے نکاح کیا اور اس کی نیت کچھ مدت بعد علاحدگی کی ہے تو نکاح درست ہے یہی عام علماء کا مذہب ہے، صرف امام اوزاعی اس سے الگ تھلگ ہے، ان کے نزدیک نکاح ہوگا ہی نہیں، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ نکاح ہوجائے گا پھر اگر موافقت دونوں میں باقی ہے اور خوشگوار ازدواجی زندگی گزار سکتے ہوں تو شوہر نکاح باقی رکھے ورنہ طلاق دے دے (مغنی لابن قدامہ)۔

اور شیخ بن بازؒ فرماتے ہیں کہ اگر آدمی سنت رسول کے موافق نکاح کرلیا تو نکاح درست ہوگیا اگر اس کے دل میں کچھ مدت کے بعد یا دوسرے شہر منتقل ہوجانے کے بعد طلاق دینے کی ہے تو اس سے نکاح کا کوئی نقصان نہ ہوگا، یہ نیت تو کبھی بدل بھی جاتی ہے، اور غیر کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ پہلے کیا نیت تھی اب کیا ہوگئی یہ نیت شرط کے درجے میں نہ ہوگی اس کا معاملہ بینہ و بین اللہ ہے ظاہر نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

نکاح کو صحیح قرار دینے والوں کی دلیل:

دلیل نکاح صحیح ہونے کی یہ ہے کہ نکاح کو کسی مدت کے ساتھ موقت کرنا بس لفظ کے ذریعہ ہوتا ہے اور یہاں بوقت نکاح اس نے اس قسم کا کوئی لفظ ذکر نہیں کیا ہے تو فقط دل کے خیال سے نکاح کو کیسے موقت مان لیا جائے گا یا اس نیت وارادہ کو شرط فاسد کی حیثیت کیسے دیدی جائے گی۔

قول ثانی:

امام احمد بن حنبلؒ کی رائے اس معاملے میں جمہور فقہاء سے مختلف ہے کیونکہ ان کے نزدیک ایک اصول یہ ہے کہ عقد شرط فاسد سے فاسد ہوجاتا ہے ذکراً ہو یا قصداً ونیتاً ہو، چنانچہ وہ تمام شرطیں جن کا بیان کردینا عقد کو فاسد کرتا ہے اگر بیان وذکر نہیں کیا فقط ارادہ ونیت کیا تب بھی وہ فاسد ہوجائے گا، یعنی منوی کو بھی مشروط کی طرح مانتے ہیں، اور اس پر ان کی دلیل ’’**إنما الأعمال بالنيات الخ**‘‘ والی حدیث ہے۔اب سوال یہ ہے کہ کیا اس حدیث میں یہ مسئلہ داخل ہوگا کہ اگر کسی نے شادی کی اور عقد نکاح کی تمام شرطیں بھی پوری کی مگر دل میں یہ نیت کی کہ فلاں وقت یا فلاں کام تک اس کو بیوی رکھوں گا اور پھر طلاق دے کر علاحدہ ہوجاؤں گا مثلاً کسی شہر میں تعلیم حاصل کرنے گیا اور اسے وہاں چند سال رہنا بھی ہے تو اس نے حالات سازگار جان کر شادی کرلی اور نیت تھی کہ جب جاؤں گا اس شہر سے تو بیوی کو دیتا جاؤں گا۔

ایک شکل تو مشہور ہے کہ آدمی کسی سے کہہ دے کہ جب تک یہاں پڑھ رہا ہوں اتنے دنوں کے لئے کسی سے یا اپنی بیٹی سے شادی کرادیجئے اور بوقت عقد اس نے اس شرط فاسد کو ذکر کردیا تو یہ نکاح متعہ ہوجائے گا جو صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے، لیکن اگر فقط نیت کیا تو کیا ہم یہ کہہ دیں کہ عقد نیت کرلینے سے شرط فاسد کے ساتھ مشروط ہوگیا

اور نکاح درست نہیں ہوا یا نکاح صحیح ہوگیا اس بنا پر کہ اس نے صاحب عقد کے سامنے اپنی نیت کو ظاہر کر کے اسے اپنے لئے لازم نہیں کیا بلکہ اپنا اختیار رکھا کہ اگر وہ راغب ہوگیا تو نکاح کو باقی رکھے ورنہ چھوڑ دے گا بخلاف نکاح متعہ کے کہ اس کے اندر مدت ختم ہونے پر خود بخود نکاح فسخ ہو جاتا ہے زوجین راضی ہوں کی نہ ہوں۔

خلاصہ کلام یہ کہ امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک ہے کہ نکاح درست ہوجائے گا مذکورہ قاعدے سے اور بقیہ حضرات کہتے ہیں کہ عقد فاسد نہ ہوگا بلکہ درست ہوگا اس لئے کہ شوہر نے ارادہ ظاہر نہ کر کے اپنے اوپر فراق کو لازم نہیں کیا ہے اسے باقی رکھنے اور چھوڑنے دونوں کا اختیار باقی ہے۔

تیسری بحث:

طلاق کی نیت سے شادی کرنے اور دیگر نکاحوں کے درمیان فرق

تمہید:

اب جبکہ ہم کو طلاق کی نیت کے ساتھ نکاح کرنے کی تعریف معلوم ہو چکی تو ہم چاہتے ہیں ہم اس نکاح اور عام معروف شرعی نکاح کے درمیان موازنہ کریں کہ دونوں میں فرق کیا اور کتنا ہے، اور اس کی غرض اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ ہمیں زیر بحث نکاح کی حقیقی صورتحال معلوم ہو جائے اور کوئی حق باقی نہ رہے۔

ہمیں ماقبل میں اس نکاح کی تعریف معلوم ہو چکی ہے کہ اس سے آدمی کا کسی عورت سے ایسے طور پر نکاح کرنا ہے کہ اپنے دل میں نکاح کو کسی خاص وقت یا عمل کے ساتھ موقت کر دے مثلاً دل میں ارادہ کر لے کہ یہ نکاح صرف دو سال کے لئے میں کر رہا ہوں پھر میری جانب سے اس عورت کو طلاق پڑ جائے۔ یہ عقد صحیح ہے وجہ یہ ہے کہ یہ نکاح تمام شرائط کو جامع ہے ولی، گواہ، سرکاری کاغذات کی کارروائیاں سب مکمل ہیں (سرکاری کارروائیاں عقد کی صحت کے لئے شرط نہیں ہیں)۔

رہا سوال یہ کہ دونوں نکاحوں میں کس درجہ کا فرق ہے تو اسے مندرجہ ذیل سطور میں ملاحظہ فرمائیں:

پہلا مطلب:

نکاح شرعی معروف اور نکاح بنیۃ الطلاق میں فرق

غور وخوض کے بعد ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سوائے دو چیزوں کے اور کسی قسم کا فرق ان کے درمیان نہیں ہے، لیکن یہ دونوں چیزیں بھی عام اور ہر اعتبار سے شوہر کے لئے لازم بھی نہیں ہیں، لیکن پھر بھی اگر فرق نکل سکتا ہے تو بس انہی کے ذریعہ۔

پہلا فرق: یہ ہے کہ نکاح بنیۃ الطلاق شوہر کی نیت کے اعتبار سے غیر دائمی ہے جبکہ نکاح دائمی ہوتا ہے کسی وقت وعمل تک محدود نہیں ہوتا، کبھی شوہر محدود وقت تک ہی نکاح باقی رکھنے کا پختہ عزم رکھتا ہے لیکن بوقت عقد اس کا تذکرہ نہیں کرتا اور کبھی بیوی، ولی وغیرہ کو بھی اپنی اس نیت سے قبل از وقت آگاہ کر دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ نیت اور دل کا یہ فعل شوہر کے لئے بیوی کی علاحدگی لازم نہیں کرتا بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بیوی سیرت وکردار کی اچھی نکل آئی تو پھر شوہر نہیں چھوڑنا چاہتا اس نکاح کو دائمی بنا دیتا ہے اور کبھی چھوڑنا پڑتا ہے، جیسا کہ نکاح شرعی میں بھی بیوی کے نشوز کے سبب شوہر کو طلاق دینا پڑتا ہے۔

دوسرا فرق: طلاق کی نیت کے ساتھ کئے جانے والے نکاح میں خاندان اور فیملی آباد نہیں ہو پاتی بلکہ اس جیسا نکاح کرنے والا شخص اولاد کے حصول اور اس کی کفالت اور تربیت کے بوجھ سے کنارہ کش رہنا چاہتا ہے، اور ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ پہلی بیوی سے اولاد نہیں ہوئی بچے کے حصول کے لئے دوسرا نکاح کرلیا اگر اس سے بھی مقصد میں کامیابی نہیں ملتی تو پھر دوسری کو طلاق کر کے پہلے ہی پر اکتفا کرنے میں اپنی عافیت سمجھتا ہے۔

دوسرا مطلب:

طلاق کی نیت کے ساتھ نکاح اور نکاح متعہ میں فرق

نکاح متعہ نام ہے آدمی کا کسی محدود، متعین وقت تک کے لئے کسی عورت سے نکاح کرنا اس طور پر کہ جب وہ مدت ختم ہو جائے مرد وعورت دونوں خود بخود جدا ہو جائیں گے اور نکاح کا بندھن کھل جائے گا، اور نکاح متعہ کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ آدمی کسی عورت سے کہے: ''متعینی نفسک بکذا من الدار ہم مدۃ کذا''، جواب میں عورت کہے: ''متعتک نفسی''، یعنی بوقت نکاح آدمی کہے کہ میں تم سے اتنے روپے میں اتنے دن کے لئے نکاح متعہ کر رہا ہوں اور جواب میں عورت قبول کرتے ہوئے یہ کہے ہاں میں اس نکاح متعہ کو قبول کر رہی ہوں، اس عقد کے لئے لازم ہے کہ لفظ متعہ، تمتیع، تمتع کا ذکر ہو (تحریم المتعۃ فی الکتاب والسنۃ)، نکاح متعہ کی حرمت پر ہر جگہ کے علماء کا اتفاق ہے۔ چنانچہ علماء اہل مدینہ سے امام مالک اور آپ کے جملہ اصحاب اور علماء کوفہ سے امام ابوحنیفہ، سفیان، اور علماء مصر وغیرہ سے امام شافعی اور آپ کے متبعین اور اہل شام سے امام اوزاعی اور خوارج میں سے ابوداؤد، ابوعبید نیم شیعہ جماعت میں سے زیدیہ اور اسماعلیہ یہ سب کے سب نکاح متعہ کی حرمت کے قائل ہیں (الاستذکار الجامع لمذاہب فقہاء الامصار)۔

البتہ شیعوں کا امامیہ فرقہ یہ متعہ کی حلت کا قائل ہے، ہر ایک اپنی دلیلیں پیش کرتا ہے تمام دلیلوں کو اکٹھا کرنا پھر آپس میں موازنہ کرنا اور صحیح وغیر صحیح کا فیصلہ کرنا اس کی اس مختصر رسالہ میں گنجائش نہیں ہے۔

نکاح متعہ کی حرمت پر لگ بھگ سب کا اتفاق ہے البتہ نکاح بنیۃ الطلاق میں لوگوں کا کچھ اختلاف ہے جس نے جائز کہا اس کی دلیل یہ ہے کہ بوقت نکاح کوئی مفسد نہیں پایا گیا، اور

جس نے ناجائز کہا اس کا کہنا یہ ہے کہ نکاح متعہ کے مشابہ ہے۔اب فقہاء ومحدثین کے اقوال کی روشنی میں ہم بعض اہم فرق کی طرف اشارہ کرر ہے ہیں۔

گذشتہ اوراق میں یہ لکھا جاچکا ہے کہ جمہور علماء کا اس نکاح بنیۃ الطلاق کے جائز ہونے پر اتفاق ہے، بس امام مالکؒ نے کہا: یہ بہتر نکاح نہیں ہے بلکہ بہت بڑی بداخلاقی کی بات البتہ امام اوزاعی سب سے الگ تھلگ ہوئے اور کہا کہ یہ نکاح متعہ ہی کی ایک شکل ہے لہذا جائز نہیں ہے، اور عیاض نے فرمایا: "لا خیر فیه" ایسے نکاح میں کوئی خیر نظر نہیں آتی (شرح الزرقانی علی الموطا امام مالک)۔

امام نوویؒ نے شرح مسلم شریف میں قاضی عیاض کے حوالہ سے بھی یہی بیان کیا ہے جوابھی گذرا نیز یہ صراحتاً بیان کیا کہ نکاح متعہ کے لئے شرط مذکور کا مجلس نکاح میں ذکر کرنا ضروری ہے (التلخیص الجبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر)۔

ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی اعتراض کرے کہ نکاح بنیۃ الطلاق جس میں شوہر فقط نیت کرتا ہے اور نکاح متعہ جس میں شروط فاسدہ ذکر کی جاتی ہیں اور جس کو جمہور فقہاء ناجائز اور امامیہ شیعہ جائز قرار دیتے ہیں، دونوں میں بہت واضح فرق ہے، وہ یہ کہ نکاح متعہ میں مدت اور زمانہ کی تحدید کے سبب نکاح کے بہت سارے احکام نافذ نہیں ہوں گے مثلاً بیوی شوہر کی وارث نہیں ہوگی اسی طرح بیوی پر عدت واجب نہیں ہوگی اور نسبت وغیرہ کے تعلق سے بہت سی دشواریاں سامنے کھڑی نظر آئیں گی، جبکہ نکاح شرعی معروف میں اس جیسی کوئی دقت پیش نہیں آتی اور نکاح کے سارے احکام بلاکم وکاست نافذ ہوسکتے ہیں، اگر شوہر نے طلاق کی نیت دل میں کرہی لی تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، اس کے ہاتھ نکاح وطلاق کئی دور محفوظ ہے جب دینا چاہے گا دیدے گا (التلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر)۔

موافقات میں درج ہے کہ نکاح کے من جملہ مقاصد میں سے جنسی حاجت کو پورا کرنا ہے اور فراق کی نیت اس سے الگ ایک امر خارج ہے وہ بھی اس کی طرف سے جس کے ہاتھ میں

شریعت نے طلاق کا اختیار دے رکھا ہے، بسا اوقات دیکھا گیا کہ شوہر و بیوی میں جدائی نہیں ہوگی اور دونوں کی زندگی پوری عزت وشرافت کے ساتھ گزرتی رہتی ہے (الموافقات للشاطبی)۔

امام ابن تیمیہؒ دونوں میں فرق بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ نکاح یعنی اگر کوئی مسافر کسی شہر میں مقیم ہوا اور اس نے شرعی طور پر نکاح کر لیا گرچہ اس کی نیت ہو کہ جب اپنے ملک واپس ہوں گے بیوی کو طلاق دیدیں گے یہ نکاح متعہ نہیں ہے اور نہ ہی حرام ہے، اس لئے کہ اسے نکاح خواہش ہے اور نکاح کا صحیح ارادہ رکھتا ہے۔

محلل کے بھی برخلاف کیونکہ وہ بھی بیوی کو پہلے شوہر کے لئے جائز کرنے کی غرض سے ہوتا ہے، بس نکاح بنیۃ الطلاق میں یہ بات ہے کہ شوہر بیوی کو دائمی طور پر رکھنے کی نیت نہیں کرتا، اور یہ شرط بھی نہیں ہے کیونکہ نکاح کے بعد بیوی کو بیوی بنا کر زندگی بھر اپنے پاس رکھنا اسے شریعت بھی لازم نہیں کرتی، بلکہ شوہر کو اختیار دیتی ہے کہ جب چاہے بیوی کو طلاق دے کر الگ ہو جائے، اب اگر کچھ مدت بعد وہ اپنی بیوی کو طلاق دے رہا ہے تو وہ ایک جائز کام کر رہا ہے، بس شریعت نے اسے قبیح مانا ہے امر ممنوع تو ہے نہیں برخلاف متعہ کے کہ وہ مثل اجارہ ہوتا ہے وہ نکاح کچھ وقت کے لئے ہوتا ہے اور مدت ختم ہونے کے ساتھ وہ نکاح خود بخود فسخ ہو جاتا ہے نہ طلاق دینے کی ضرورت پڑتی ہے اور نہ ہی شوہر کو رجعت کرنے کا اختیار باقی رہتا ہے۔

اور یہ نکاح تو اس میں شوہر کی ملکیت، حاکمیت اور شوہریت دائمی طور پر باقی رہتی ہے اگر ارادہ قائم رہا نہ رکھنے کا تو چھوڑ دیتا ہے اور اگر جانبین میں سچی الفت ومحبت پیدا ہوگئی تو پھر اس نکاح کو دوام بخش دیا جاتا ہے لیکن نکاح میں اس قسم کی کوئی شرط نہیں لگائی جاتی ہے۔

حسن بن علیؓ کثیر الطلاق مانے گئے ہیں شاید ان کی بھی نیت یہی رہتی ہو کہ کچھ مدت کے بعد طلاق دیدیں گے لیکن کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ یہ متعہ ہے حقیقت یہ ہے کہ وہ پہلے سے نیت نہیں کرتے تھے بلکہ نکاح پر کچھ وقت گذر جانے کے بعد اپنے حالات اور مزاج وطبیعت کے تقاضے سے ایسی نیت ہو جاتی تھی اگر فرض کر لیا جائے کہ وہ پہلے سے ہی ایسی نیت رکھتے تھے تو

بتائیں کہ بہت دفعہ مدتوں ایک بیوی کے ساتھ رہ گئیہ یا بعض کو طلاق ہی نہیں دیا اس کے متعلق آپ کیا کہیں گے (فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ)۔

شیخ ابن عثیمین کہتے ہیں کہ اگر متعہ کی نیت کرلیا بغیر شرط لگائے یعنی دل میں کہہ لیا کہ یہ نکاح مثلاً ایک سال کے لئے کرر ہا ہوں بعدازاں اس سے جدائیگی ہوجائے گی تو اس کا کیا حکم ہے، اس پر نکاح متعہ کا حکم لگے گا یا نہیں، پھر فرمایا کہ: اس میں علماء کا اختلاف ہے کچھ علماء نے کہا کہ یہ حرام ہے اس لئے کہ نکاح متعہ ہی کے حکم میں ہے، دوسروں نے کہا کہ یہ نکاح متعہ بالکل نہیں ہے اس لئے کہ اس پر نکاح متعہ کی تعریف صادق نہیں آتی اس لئے کہ نکاح متعہ محدود ومتعین وقت کے لئے ہوتا ہے، اس کے بعد نکاح کی کوئی علامت یا اثر باقی نہیں رہتا اسی سبب شوہر رجعت بھی نہیں کرسکتا اور نہ ہی نکاح کو دوام عطا کرسکتا ہے، جبکہ اس نکاح بنیۃ الطلاق میں بیوی کو طلاق دینا یا اس سے جدا ہونا لازم نہیں ہوتا، ایک آدمی کہیں گیا پڑھنے کے لئے اس نے مدت قیام تک کی نیت سے شادی کرلی بیوی کی صفات اسے پسند آگئی اب وہ چھوڑنے پر مجبور نہیں ہوگا اور نہ ہی بوقت نکاح مجلس نکاح میں کوئی ایسی شرط ہی لگی ہے، لہذا ایسا نکاح صحیح نکاح ہوگا متعہ نہیں ہوگا مجھے اس پر شرح صدر ہے کہ یہ نکاح متعہ نہیں ہے (الشرح الممتع علی زاد المستقنع)۔

شیخ بن بازؒ بھی اسی قسم کی بات فرماتے ہیں کہ نکاح متعہ میں شرط مذکور ہوتی ہے اور وہ کچھ دنوں بعد خود بخود فسخ ہوجاتا ہے کہ جبکہ وہ نکاح جو اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے مطابق ہو وہ صحیح ہے فقط دل کے فعل سے کوئی فرق نہیں پڑتا، اور یہ فعل بھی تو بدلتا رہتا ہے، بلکہ اس کی حقیقت بینہ وبین اللہ ہے اس سے نکاح کے ظاہری احکام نہیں بدلیں گے (فتاوی علامہ عبدالعزیز بن باز)۔

اب میں آپ کے سامنے ایک نقشہ پیش کررہا ہوں جس سے نکاح شرعی، نکاح بنیۃ الطلاق اور نکاح متعہ میں آپ فرق کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں:

نمبر	فروقات	نکاح شرعی	نکاح بنیۃ الطلاق	نکاح متعہ
۱	مدت	غیرمحدود	غیرمحدود	محدود کسی مدت کے ساتھ
۲	طلاق	اس میں طلاق ہے	اس میں طلاق ہے	اس میں طلاق نہیں ہے
۳	ولی	ولی کی شرط	ولی کی شرط	ولی کی شرط نہیں ہے
۴	گواہان	گواہ کی شرط ہے	گواہ کی شرط ہے	گواہ کی شرط نہیں ہے
۵	پاکدامنی	اس سے دونو ں کو پاکدامنی حاصل ہوتی ہے	پاکدامنی حاصل ہوتی ہے	پاکدامنی حاصل نہیں ہوتیاور نہ اس کی نیت ہوتی ہے
۶	ہمیشگی	یہ نکاح دوام پر مبنی ہے	دوام پر مبنی ہے	دوام پر مبنی نہیں ہے
۷	سکنی	اس میں عورت کو سکنی ملے گا	اس میں سکنی ملے گا	عورت کے لئے سکنی نہیں ہے
۸	عدل	تمام بیویوں میں عدل واجب ہے	عدل واجب	عدل وبرابری واجب نہیں ہے کیونکہ وہ کرایہ کی چیز ہیں
۹	فیملی نشوونما	اس سے فیملی وخاندان وجود میں آئیں گے	اس میں خاندان وجود میں آ بھی سکتے ہیں اور نہیں بھی	اس سے خاندان وفیملی کی نشوونما نہیں ہوگی
۱۰	مہر	اس میں مہر واجب ہے	مہر واجب ہے	مہر واجب نہیں ہے بلکہ اجرت واجب ہے
۱۱	عدت کا نفقہ	عدت کا نفقہ واجب ہے	عدت کا نفقہ واجب ہے	نفقہ واجب نہیں ہے

۱۲	طلاق کی عدت	اس میں عدت تین قروء یا تین ماہ ہے	عدت تین قروء یا تین ماہ ہے	دوحیض یا ۴۵ دن ہے
۱۳	وفات کی عدت	وفات کی عدت گذارے گی	وفات کی عدت گزارے گی	کوئی عدت نہیں ہے
۱۴	مطلقہ کوحلال کرنا	اس سے مطلقہ پہلے شوہر کے لئے حلال ہوجائے گی	اس سے مطلقہ پہلے شوہر کے لئے حلال ہوجائے گی	اس سے حلال نہیں ہوگی
۱۵	میراث	دونوں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے	وارث ہوں گے	دونوں میں کوئی وراثت نہیں چلے گی
۱۶	بیوی کی دینداری	مسلمہ ہو یا کتابیہ ہو بس	مسلمہ ہو یا کتابیہ ہو بس	مجوسیہ تک سے تمتع جائز ہے
۱۷	زوجہ کی شرط	جب تک پہلے شوہر سے علاحدگی کامل نہ ہوجائے اس سے شادی جائز نہیں ہے	پہلے شوہر سے بیوی کی مکمل علاحدگی ضروری ہے	پہلے شوہر سے کامل علاحدگی کے بغیر اس سے متعہ جائز ہے
۱۸	عرفی نام	بیوی	بیوی	مستاجرہ (کرایہ پر لی ہوئی)
۱۹	ظہار	اس سے ظہار ہوسکتا ہے	ظہار ہوسکتا ہے	ظہار نہیں ہوسکتا
۲۰	لطف اندوز ہونا	اس میں عدم جماع کی شرط ناجائز ہے	عدم جماع کی شرط ناجائز ہے	عدم جماع کی شرط جائز ہے
۲۱	لعان	لعان ہوسکتا ہے	لعان ہوسکتا ہے	لعان نہیں ہوسکتا
۲۲	خلع	خلع جائز ہے	خلع جائز ہے	خلع جائز نہیں ہے

یہ چند فروق جن کو نقشے میں بیان کیا گیا ہے جسے علماء کرام اور فقہاء عظام نے اپنی اپنی کتابوں اور مقالوں میں بیان کیا ہے، اور اس سے بخوبی واضح ہوگیا کہ نکاح متعہ اور نکاح بنیۃ الطلاق میں یوں بعید ہے اور یہ بھی اظہر من الشمس ہوگیا کہ کس بنیاد پر علماء نے متفقہ طور پر متعہ کو حرام و ناجائز لکھا ہے اور اس میں کس طرح کی تاویل کو باقی نہیں چھوڑا (تحریم المتعۃ فی الکتاب والسنۃ)۔

امام احمدؒ اور ان کے متبعین اور امام اوزاعی نے اس موضوع میں اختلاف کیا ہے کیونکہ وہ نکاح بنیۃ الطلاق کو متعہ کے مشابہ مانتے ہیں چنانچہ شرح زرکشی حنبلی میں لکھا ہے کہ اگر شوہر نے شادی اس عزم پر کی کہ کسی متعین مدت میں اسے طلاق دیدیں گے تو اس کا نکاح نہیں ہوگا، اس لئے کہ وہ نکاح متعہ کے مشابہ ہے اور شئی کے مشابہ کو شئی کامل جاتا ہے مشابہت کی وجہ یہ ہے کہ نکاح بنیۃ الطلاق میں مرد کسی متعین وقت اور مدت پر بیوی سے علاحدہ ہونے کو اپنے اوپر ذہناً وفکراً لازم کر چکا ہے اور نکاح متعہ میں بھی یہی ہوتا ہے کہ کسی متعین مدت کے بعد جدائیگی لازم ہوجاتی ہے۔

احمدؒ نے فرمایا ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ جب آدمی عورت سے نکاح کرے اور عزم یہ ہو کہ اسے خراسان لے جائے گا اور اس کی رائے یہ ہو کہ جب اسے لے کر خراسان پہنچ جائے گا تو اسے چھوڑ دے گا فرمایا کہ یہ متعہ کے مشابہ نہیں ہے اور اس کی بیوی تاعمر رہے گی۔

ابومحمدؒ نے مغنی میں کہا ہے کہ یہ متعہ نہیں ہے بلکہ صحیح ہے ان کا لفظ ہے لابأس بہ مزید مثال بھی دی ہے کہ یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی نے کہا: نکاح کے بعد اگر موافقت ہوئی تو ٹھیک ہے ورنہ طلاق دیدوں گا لیکن ابوالعباس نے کہا کہ مجھے امام احمد کے اصحاب میں کوئی ایسا نہیں ملا جس نے صراحتاً لابأس بہ کہا ہو اور ابھی موافقت والی جو مثال دی گئی وہ تو اپنی جگہ ٹھیک ہے کہ اس سے نکاح درست ہوجائے گا مگر نکاح بنیۃ الطلاق میں تو نکاح کو موقت کرنے کا پورا قصد ہے اسی سبب سے یہ متعہ کے مشابہ ہے اور حرام ہے۔

تیسرا مطلب:

طلاق کی نیت سے نکاح اور نکاح محلل کے درمیان فرق

بعض فقہاء کرام نے نکاح بنیۃ الطلاق کو نکاح محلل کے مشابہ قرار دے کر حرام و ناجائز قرار دے دیا جس سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے اور حلالہ کرنے والے پر لعنت بھیجی ہے (فتح القدیر)۔ اور وجہ شبہ یہ بتلاتے ہیں کہ دونوں میں شوہر کی طرف سے دوام و استمرار کی نیت نہیں پائی جاتی مگر دونوں کی تحقیق و تجیث کرنے والے کے سامنے چند فوارق ظاہر ہو کر رہیں گے۔

اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ نکاح بنیۃ الطلاق نکاح محلل کے بالکل مشابہ ہے، تب بھی تو یہ بات محل غور رہتی ہے کہ فقہاء کرام نے اس نکاح محلل کے حکم میں اختلاف کیا ہے بلکہ بعض احناف نے تو اسے ایک نیک عمل اور باعث اجر کام قرار دیا ہے مگر جب کہ اس فعل سے اصلاح ذات البین کی نیت ہو نیز فرمایا کہ حضور کی حدیث اس صورت پر محمول ہے جب اجرت طے کر کے کمائی کی نیت سے ایسا کیا جائے (ابن ماجہ باب المحلل والمحلل لہ)۔

نکاح بنیۃ الطلاق اور نکاح محلل کے درمیان کیا فرق ہے اسے مفصل طریقے پر بیان کرنے سے پہلے ضرورت محسوس ہوئی کہ نکاح محلل کی تعریف اور اس کی موجودہ شکلوں میں بیان کر دیا جائے تو سنئے: نکاح محلل وہ نکاح ہے جس سے مقصد مطلقہ ثلاثہ کو اس کے پہلے شوہر کے لئے جائز کرنا ہو (القرافی، الذخیرہ)۔

امام شافعیؒ نے فرمایا کہ نکاح محلل جس پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت بھیجی ہے وہ ہمارے نزدیک نکاح متعہ ہی کی ایک قسم ہے اس لئے کہ وہ نکاح مطلق نہیں ہے بلکہ مقید ہے خلوت صحیحہ ہونے تک کے زمانہ کے ساتھ چنانچہ مطلب اور نتیجہ یہ نکلا کہ جب خلوت ہوگئی تو پھر نکاح باقی

نہیں دونوں کے درمیان حقیقت کے اعتبار سے جدائی ہوگئی جیسے کسی نے کہا میں تم سے دس دن کے لئے نکاح کرر ہا ہوں جب دس دن پورا ہوجائے گا تو دونوں میں جدائیگی ہوجائے گی اسی طرح نکاح محلل میں بھی ہوتا ہے کہ شوہر نے گویا کہ کہا میں خلوت کے ذریعہ حلال کرنے تک کے لئے تم سے نکاح کرر ہا ہوں اور بیوی نے جواب میں کہا: میں اتنی مدت کے لئے تمہارے نکاح کو قبول کرر ہا ہوں تو خلوت کے بعد نکاح باقی نہیں رہے گا اور نہ ہی دونو ں میں سے کوئی اس کا طالب ہی ہے۔

چنانچہ اب نکاح حلالہ کی صورت یہ نکلی کہ آدمی کہے کہ میں تم سے نکاح کرر ہا ہوں اس شرط پر کہ جب تم کو پہلے شوہر کے لئے حلال کروں گا طلاق دیدوں گا یا اس کے بعد ہم دونوں کے درمیان نکاح باقی نہیں رہے گا یا شوہر نے اس کی نیت کی یا دونوں اس پر راضی ہوگئے (آخرالذکر دونوں صورتوں میں فقہاء کا اختلاف ہے) تو نکاح حرام ہوگا، صحیح نہ ہوگا اور عورت پہلے شوہر کے لئے حلال نہ ہوگی۔

ویسے فقہاء نے نکاح محلل کی بہت سی تقسیم فرمائی ہے، ان میں سے مندرجہ ذیل ملاحظہ فرمائیں:

اول: آدمی عورت سے اس شرط پر نکاح کرے کہ جب وہ اس سے وطی کرکے پہلے شوہر کے لئے اس کو جائز کرلے گا تو پھر دونوں میں نکاح باقی نہ رہے گا، یہی عام اہل علم اور یہی بات حسن بصری، امام نخعی، امام قتادہ، امام لیث، امام ثوری، اور عبداللہ بن مبارکؒ کہتے ہیں (القرافی، الذخیرہ)۔

دوم: آدمی کہے میں تم سے نکاح کرر ہا ہوں لیکن تجھے حلال کرنے کے بعد طلاس دے دوں گا پس یہ نکاح مالکیہ اور حنابلہ کے صحیح مذہب کے مطابق باطل اور امام شافعیؒ کے اصح قول کے مطابق نیز امام ابو یوسفؒ کے نزدیک باطل ہے اس لئے کہ شرط لگائی گئی ہے طلاق کی جس کے سبب یہ نکاح موقت نکاح کے مشابہ ہوگیا (الانصاف فی معرفۃ الراجح من الخلاف للمرداوی)۔

سوم: دونوں مرد وعورت اس کا معاہدہ کرلیں کہ حلال کرنے کے بعد شوہر طلاق دیدے گا پھر عام طریقے سے ہوا اور کسی طرح کی کوئی شرط نہیں لگائی گئی تو یہ نکاح حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک صحیح ہے اس لئے کہ یہ شرط فاسد سے خالی ہے، یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی عورت سے عام مشہور طریقے سے نکاح ہوا اور شوہر دل کے اندر اس طرح کا کچھ ارادہ رکھے۔ درحقیقت نکاح فاسد ہوتا ہے شرط فاسد سے نہ کہ قصد فاسد سے (بدائع الصنائع)۔

اور مالکیہ اور حنابلہ ایک قول کے مطابق اس نکاح کو غیر صحیح کہتے ہیں۔

چہارم: عقد نکاح سے پہلے شوہر نے بعد حلالہ طلاق دینے کا معاہدہ کرلیا تھا پھر بوقت نکاح اس نے خلاف معاہدہ نیت کرلیا کہ میں اب نکاح کے بعد اس کو نہیں چھوڑوں گا، یا یہ نیت کی کہ اگر اس نکاح کے بعد عورت مجھے اچھی لگ گئی تو میں اسے اپنی زندگی میں روک بھی سکتا ہوں، یعنی بیوی بنا کر ہمیشہ رکھوں گا، اس نکاح کے متعلق جمہور فقہاء یعنی حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ یہ نکاح صحیح ہے اس لئے کہ یہ بالکل تحلیل وغیرہ کی نیت یا اس کی شرط سے خالی ہے (بدائع الصنائع)۔

حنفیہ کے نزدیک نکاح محلل اپنی تمام شکلوں کے ساتھ جائز ہے البتہ جس شکل میں تحلیل کی شرط لگائی گئی ہو وہ مکروہ تحریمی ہے نکاح پھر بھی صحیح ہوگا اور شرط باطل ہوجائے گی مثلاً شوہر کہے: ''**تزوجتک علی أن أحللک للأول**'' (میں تم سے اس بات پر فقط کر رہا ہوں کہ تم کو پہلے شوہر کے لئے حلال کردوں)۔

امام ابو یوسفؒ نے پہلی قسم میں حنفیہ کی مخالفت کی ہے اور نکاح کو وہ فاسد کہتے ہیں کیونکہ یہ نکاح موقت ہو جو صحیح نہیں ہے اور یہ عورت زوج اول کے لئے اس پہلی شکل میں حلال نہ ہوگی۔

نکاح محلل کا اجمالی تذکرہ میں نے فقہاء کے اقوال کی روشنی میں کردیا ہے اور ہر ایک فقیہ وامام کے پاس اپنی دلیل ہے جس سے وہ استدلال کرتے ہیں۔ اگر کوئی ان دلائل کی تفصیل

جاننا چاہے مراجع وماخذ سے رجوع کرے اس مختصر میں مزید تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔

البتہ نکاح محلل اور نکاح بنیۃ الطلاق کے درمیان فروق وامتیازات کو ہم یہاں کسی قدر بیان کردے رہے ہیں۔

بلا شبہ نکاح بنیۃ الطلاق نکاح محلل کے مشابہ ہے دونوں میں مفارقت اور جدائیگی کی نیت پائے جانے کی وجہ سے مگر دونوں میں کچھ فرق ضرور ہے جسے ہم مختصر طور پر بیان کررہے ہیں۔

پہلا فرق: تو یہ ہے کہ نکاح بنیۃ الطلاق کے اندر نکاح کے وقت نیت کی تصریح نہیں ہوتی اور عام طور پر شوہر کے علاوہ کسی کو اس نیت کا علم بھی نہیں ہوتا، اور نہ ہی بیوی کے اوپر طلاق پڑنے پر دونوں میاں بیوی میں کوئی معاہدہ ہوتا ہے طلاق شوہر کا حق ہوتا ہے اور یہ حق آزادانہ طور پر باقی رہتا ہے، شوہر طلاق دینا چاہے کوئی روک نہیں سکتا اور رکھنا چاہے کوئی چھڑا نہیں سکتا، بخلاف نکاح محلل کے کہ اس میں مختلف جہات سے موافقت موجود نظر آتی ہے۔

اول: نکاح محلل میں جس کے لئے حلالہ کیا جارہا ہے وہ حالاً یا قالاً اس بات کو گوارہ کرتا ہے کہ کوئی دوسرا اس کی بیوی کو استعمال کرے۔

دوم: اس نکاح محلل میں شوہر ثانی گویا کہ ایک کرایہ کا بکرا ہے، جو کام لگنے پر دوسری جگہ استعمال کیا جاتا ہے، مرد محلل کو آپ ﷺ نے اسی کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔

سوم: نکاح محلل میں بیوی بھی اس کو مکروہ ومبغوض فعل میں عملی طور پر شریک رہتی ہے جبکہ نکاح بنیۃ الطلاق میں ایسا کچھ نہیں ہے۔

دوسرا فرق: نکاح بنیۃ الطلاق میں شوہر یقینی طور پر اپنی شہوت پوری کرنی اور اپنے فرج کی حفاظت کرنا چاہتا ہے اور یہ بھی نیت ہوسکتی ہے کہ اس کے ذریعہ وہ حرام فعل کے ارتکاب سے بچ جائے اور یہ ایسے ارادے اور سبب ہیں جو شریعت میں مقصود ومطلوب ہیں۔ شوہر بیوی کو اس نکاح کے بعد اپنی شریک حیات سمجھتا ہے، اور اس کے ساتھ رہنا باعث سکون واطمینان ہوتا ہے،

اسی طرح عورت بھی شوہر سے رفتہ رفتہ محبت کرنے لگتی ہے اور پھر اکثر اوقات محبت دیرپا اور نکاح دائمی بن جاتا ہے بخلاف نکاح محلل کے کہ اس میں شوہر فقط حلال کرنے کی نیت کرتا ہے اور یہ کوئی شرعاً مقصود چیز نہیں بلکہ منہی عنہ ہے۔

امام شاطبیؒ فرماتے ہیں کہ نکاح محلل میں نکاح کرنے کا حقیقی مقصد حاصل نہیں ہوتا بس مقصد بیوی کو دوسرے مرد یعنی پہلے شوہر کے لئے حلال کرنا ہوتا ہے، حالانکہ شریعت نے نکاح کو اس مقصد کے لئے مشروع نہیں کیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ نکاح بنیۃ الطلاق اپنے لئے نہیں بلکہ غیر کے لئے ہوتا ہے تو اس میں پائیداری اور دوام عرفاً یا شرطاً کہاں سے آسکتا ہے؟

تیسرا فرق: نکاح محلل کے منع پر اور حلالہ کے فاعل پر لعنت نبی ﷺ سے صراحتاً موجود ہے۔لہذا دوسرے کو اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

خلاصہ کلام ی ہے کہ جمہور نکاح بنیۃ الطلاق کو مفسد سے خالی مان کر اس نکاح کو درست قرار دیتے ہیں نیز نکاح محلل کی بھی بعض شکلیں ان کے نزدیک درست ہیں مثلاً جس میں شرط مفسد نہ ہو، البتہ امام احمدؒ نکاح محلل کی تمام شکلوں کو حرام قرار دیتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک نیت کی بھی سلامتی لازم ہے اور نکاح محلل میں فرد محلل کی نیت جماع تک موقت رہتی ہے پھر وہ اسی پر نکاح بنیۃ الطلاق کو قیاس کرتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ وجہ مشابہت دونوں مما توقیت ہے دوام واستمرار کسی میں نہیں ہے لہذا وہ اس کو بھی باطل ہونے کا حکم لگاتے ہیں، واللہ اعلم بالصواب۔

چوتھی بحث:

طلاق دینے کے ارادے سے کئے ہوئے نکاح میں علماء کی رائیں

طلاق کے ارادے سے کئے جانے والے نکاح کی تعریف، اور ایسے نکاح اور دوسرے نکاح کے درمیان فرق کا بیان سابقہ مباحث میں آ گئے ہیں اب یہاں سے ہم ایسے نکاح کے حکم کے متعلق علماء کی آراء کو ان کے اختیار کردلائل کے ساتھ ساتھ ان پر مناقشات کو بھی تحریر کر رہے ہیں۔

پہلا قول: مالکیہ اور حنابلہ کے جمہور فقہاء، ابن قدامہ نیز معاصرین میں سے شیخ بن باز اور ملک کویت کی شرعی تحقیقی ایجنسی، اوران کے دارالافتاء سے صادر ہونے والے فتوے کی تحریر پہلی صورت کے قائل ہیں یعنی نکاح بنیۃ الطلاق کو جائز سمجھتے ہیں، ان کے دلائل ہم بعد میں ذکر کریں گے۔

دوسرا قول: اس کو امام مالک، شافعی، امام احمد (جیسا کہ ابن تیمیہ نے اس قول کو ان سے نقل کیا ہے) ابن تیمیہ اور معاصرین میں سے ڈاکٹر احمد کردی نے اختیار کیا کہ انہوں نے ایسے نکاح کی کراہت کا فتوی دیا ہے۔

تیسرا قول: یہی حنابلہ کا معتمد علیہ قول ہے اور احناف میں سے امام اوزاعیؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے اور ابن العربی نے اسے امام مالکؒ کی جانب بھی منسوب کیا ہے کہ ایسا نکاح حرام ہے اس کی ابن حزم کا ظاہر قول بھی ہے، اور معاصرین میں سے شیخ محمد رشید رضا، سعودیہ عربیہ کے شاہی دارالافتاء کے ممبران اور شیخ محمد بن صالح عثیمن بھی اسی کے قائل ہیں۔

ہر قول کی دلیل پیش خدمت ہے:

سب سے پہلے جواز کے قائلین کی دلیل پیش ہے:

جواز کے قائلین جمیع فقہاء نے استدلال سے ثابت کیا ہے کہ یہ عقد صحیح ہے، اور نیچے آنے والے تمام آثار اس قول کی تاکید کر رہے ہیں:

(۱) یہ عقد صحیح ہے اس لئے کہ اس میں نکاح کے تمام شرائط وارکان موجود ہے اور آئندہ طلاق کی نیت سے عقد کی صحت پر کچھ فرق نہیں پڑتا، چنانچہ ایسا ہوسکتا ہے کہ اس کی رائے اور نیت بدل جائے اور بیوی میں کوئی ایسی اچھی اخلاقی صفت ہو جو شوہر کو محبوب ہے تو پھر شوہر پر کوئی جبر نہیں کرسکتا کہ آپ ہر حال میں اس کو چھوڑ دیں۔

(۲) عقد کے صحیح ہونے یا باطل ہونے میں نیت کا کوئی بھی اثر نہیں ہے جبکہ یہ نیت عقد میں بصورت نص یا شرط ظاہر نہ ہو۔

(۳) مدت کا اخفاء نیت کے صحیح ہونے میں موثر نہیں ہے اور نہ ہی مدت کا یہ اخفاء نکاح کو مؤقت بنا سکتا ہے چنانچہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرے اور اس کا ارادہ ہو کہ ایک متعین مدت تک اس نکاح کو برقرار رکھے گا تو یہ نکاح بالکل صحیح ہوگا کیونکہ صرف نیت سے جبکہ اس کا تلفظ نہ ہو نکاح مؤقت نہیں ہوتا۔

(۴) اگر ہم چاہیں کی نکاح میں طلاق کی نیت بالکل ہو ہی نہیں تو پھر یہ نصرانیوں کا دائمی نکاح ہو جائے گا اور شریعت نے مرد کو طلاق دینے کی جو اجازت دے رکھی ہے اس سے مختلف چیز وجود میں آجائے گی۔

(۵) نکاح بنیۃ الطلاق نکاح متعہ اور نکاح محلل کی تعریف پر منطبق نہیں ہوتا اور نہ ہی ان دونوں اس نکاح کو قیاس کرنے کی گنجائش ہے اور اس نکاح بنیۃ الطلاق اور نکاح متعہ و نکاح محلل کے درمیان فرق تفصیل کے ساتھ ماقبل میں گذر چکا ہے۔

(٦) اس نکاح بنیۃ الطلاق میں مسافر نوجوانوں کا (جو زنا وفحش کاری میں مبتلا ہونا نہیں

چاہتے ، العیاذ باللہ) مشکل مگر ممکن حل موجود ہے، اس کے علاوہ کوئی اور شکل ان کو زنا وغیرہ سے بے نیاز نہیں کرسکتی ، اس لئے بھی یہ نکاح جائز ہونا چاہئے ۔

دلائل اور اس کی تفصیلات کا بیان:

سابقہ مباحث میں ہم فقہاء ائمہ کرام کے اقوال بیان کر چکے ہیں جنہوں نے اس مسئلہ میں پوری محنتیں صرف کیں اور اس پر تفصیل کے ساتھ اپنی کتابوں میں مقالے لکھے ما قبل کی یہ تمام بحثیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ مسئلہ کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک قدیم مسئلہ ہے جس سے فقہاء کرام اچھی طرح واقف تھے اور جس پر انہوں نے سیر حاصل بحث کی ہے، جہاں تک میرے علم میں ہے کہ ایک دو کو چھوڑ کر بقیہ سارے لوگوں نے اس نکاح کو درست قرار دیا ہے، کیونکہ نکاح کی صحت اس کے تمام ارکان وشرائط پائے جانے پر موقوف ہے اور یہاں تمام ارکان پائے جارہے ہیں۔

پہلی شرط: ایجاب وقبول کا طرفین کی طرف سے پایا جانا ہے، اور اس شرط کا مقصد نکاح پر دونوں کا راضی ہونا ہے اور طے شدہ مہر پر دونوں کی رضا کا ظاہر ہونا ہے۔

دوسری شرط: نکاح کے اولیاء کا متفق ہونا ہے اور یہ بھی جمہور علماء کے نزدیک شرط ہے۔

تیسری شرط: بیوی کو دیجانے والی مہر کی مقدار کی تعیین یا شوہر کے ذمہ عائد ہونے والی مہر کی وضاحت ہے۔

چوتھی شرط: نکاح کا اعلان اور اسے مشہور کرنا ہے، اور سب سے کم درجے کا اعلان یہ ہے کہ کم از کم دو عادل آدمی گواہ ہوں۔

جس نکاح میں یہ شرطیں پائی جائیں گی وہ نکاح صحیح ہوگا، اور صحیح ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس پر شرعی آثار مرتب ہوں گے، اور طرفین میں سے کسی ایک کے حرام فعل (دھوکہ) کا ارتکاب کرنے سے نکاح کی صحت متاثر نہیں ہوگی بلکہ نکاح صحیح ہوگا اور معصیت کرنے والا گنہگار

ہوگا۔

اوراس پر یہ مسئلہ بھی متفرع ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص نے رات گذارنے کے لئے طلاق کے ارادے کے ساتھ کسی عورت سے نکاح کیا اور طلاق دینے کا یہ ارادہ فوراً یا ذرا رک کر ہے تو اس پر عقد نکاح کے آثار قضاءً اور دیانتاً لازم ہوں گے، اوراس میں سب سے اہم امر اس نکاح سے ہونے والی اولاد کے نسب کی حفاظت ہے۔

نفقہ، سکنی اور وہ تمام چیزیں جو شریعت نے نکاح کے ساتھ جوڑی ہیں مثلاً بچوں اور اپنی بیوی کی کفالت جب تک کہ یہ بیوی اس کی عصمت نکاح میں ہے جب شوہر اسے طلاق دے گا تو بیوی کے لئے نفقہ شوہر پر لازم ہوگا اسی طرح بیوی پر عدت ضروری ہوگی اور اگر شوہر بیوی کو چھوڑ کر انتقال کر جائے تو بیوی کو حق وراثت ملے گا۔

یہ اوراس جیسی دوسری چیزیں جتنی ہیں شارع حکیم نے عقد صحیح ہی کی بنیاد پر عاقدین کے ذمہ لگا رکھی ہیں۔

شارع کی نص کی بنیاد پر طلاق دینا شوہر کا حق ہے، تو اب شوہر اپنے حق طلاق کو استعمال کرسکتا ہے اگر چہ ایسا نکاح ہو جس میں طلاق کی نیت پہلے سے بالکل نہ رہی ہو، آپ علیہ السلام نے فرمایا: ’’**إنما الطلاق لمن أخذ بالساق**‘‘ (ابن ماجہ کتاب الطلاق)۔

اور یہ کلام عرب میں جماع سے کنایہ ہے یعنی طلاق کا مالک وہ شخص ہے جو جماع کا مالک ہے، ایسے وہ نکاح بھی ہے جس میں طلاق کی نیت کی گئی ہوگی اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ شوہر نے اپنی بیوی کو اپنی نیت سے باخبر کردیا تھا یا یہ راز اپنے ہی تک محفوظ رکھا تھا، اوراس نکاح میں بجا طور پر تمام ارکان وشرائط موجود ہیں، آئندہ طلاق دینے کی نیت کرنا نفس عقد میں مضر نہیں ہے، اس لئے کہ اس کی اس نیت کو احتمال سے زیادہ اور کسی چیز کا درجہ نہیں دیا جاسکتا، کبھی نیت بدل بھی سکتی ہے اور بیوی کی بعض خوبیوں سے یہ مرعوب بھی ہوسکتا ہے، نیز جب تک کسی عقد میں عاقد کی نیت فاسدہ کا بطور شرط ظہور نہ ہوجائے یا بطور نص اسے بیان نہ کردیا جائے اس وقت تک

عقد کی صحت و بطلان پر اس کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی مدت نکاح کے اخفا سے کوئی اثر پڑسکتا ہے، اور نہ ہی نیت کے اخفا سے کوئی نکاح موقت ہوسکتا ہے، چنانچہ شوہر کو حق حاصل ہے کہ ایک مدت خاص تک نکاح باقی رکھنے کی نیت سے نکاح کرے کیونکہ نکاح کی توقیت تو لفظ کے ذریعہ ہوگی نہ کہ نیت وارادہ سے فقط۔

اور مبحث ثانی کے تیسرے مقصد اوراس کے پہلے مسئلے اس بات کا بیان گذر چکا ہے کہ عقد نکاح میں نیت کا دل میں مخفی رکھنا عقد نکاح کی صحت پر اثر انداز نہیں ہوگا۔

اور دونوں امام، امام نووی اور امام زرقانی نے ذکر کیا ہے کہ فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس نے مطلق نکاح کیا اوراس کا ارادہ ہے کہ بیوی کے ساتھ ایک خاص مدت تک رہے گا تو یہ نکاح صحیح وحلال ہوگا، نکاح متعہ نہیں ہوگا نکاح متعہ میں تو اس کی شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے (المنہاج شرح مسلم)۔

ابن رشدؒ نے فرمایا کہ جو شخص کسی عورت سے اس ارادے سے نکاح کرے کہ اس سے اپنی خواہش پوری کرنے کے بعد اسے اپنے نکاح سے جدا کردے گا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ اس کا الفاظ میں اظہار نہ کیا ہو اور نہ ہی اس کی شرط لگائی ہو، کیونکہ کبھی اس کا ارادہ ہوتا ہے کہ ایک مدت خاص کے بعد بیوی کو علاحدہ کردے گا، لیکن پھر اسے بیوی کے اندر کوئی اچھا نظر آجاتی ہے تو پھر جدائیگی کا ارادہ ترک کردیتا ہے، اور کبھی نکاح کرتا ہے اوراس کا ارادہ ہوتا ہے کہ جدا نہیں کرے گا مگر پھر اس کے اندر کوئی ایسی برائی نظر آجاتی ہے جس کے سبب وہ جدا کردیتا ہے۔

کیا آپ نے یہ مسئلہ ملاحظہ نہیں کیا کہ اگر ایک شخص نے عورت سے اس ارادہ سے نکاح کیا کہ اس سے سیر ہونے تک اس کا ساتھ نہ چھوڑوں گا تو پھر اس مدت سے زیادہ ساتھ رہنے میں کوئی شرعی کوئی ممانعت نہیں ہے، اوراس مسئلہ میں اصل اللہ تعالی کا یہ قول ہے: "**والذين هم لفروجهم حافظون، إلا على أزواجهم أو ما ملكت أيمانهم فإنهم غير**

ملومین‘‘(النور)۔

اور یہ مسئلہ اس مسئلہ کے مماثل ہے جس کو ابن کنانہ نے اس آدمی کے لئے جائز قرار دیا ہے جو کسی شہر کو جائے اور وہاں کچھ ماہ رہنے کا ارادہ کرے اور پاک دامن رہنے کے لئے نکاح کرے اور وہاں سے خروج کے وقت طلاق کا ارادہ ہو تو یہ سب ایسی باتیں ہیں جو انسان کی دل میں آتی رہتی ہیں صرف چھپانے کا لفظ بول دینے پر کوئی منفی اثر نہیں پڑے گا (البیان والتحصیل لابن رشد)۔

امام شاطبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ نکاح ہمارے یہاں ثابت ہے (جو کوئی اپنی قسم سے نکلنے کے لئے ایسا کرے) اور یہ اس شخص کی طرح ہوگا جو محض لذت رانی کے لئے نکاح کرے، اسے رکھنے کا ارادہ نہ ہو تو اس نیت کے اخفاء پر مسئلہ وہی ہے کہ اگر رکھنا چاہے رکھے اس لئے کہ اصلاً نکاح درست ہوا ہے (الموافقات للشاطبی)۔

اور ابن قدامہ نے مغنی میں ذکر کیا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے بغیر کسی شرط کے نکاح کرے مگر اس کا ارادہ ہو کہ کچھ ماہ بعد یا اس شہر میں اپنی ضروریات پوری کرنے کے بعد اس عورت کو طلاق دیدے گا تو یہ نکاح عام اہل علم کے نزدیک صحیح ہے سوائے امام اوزاعیؒ کے کہ وہ فرماتے ہیں کہ یہ متعہ ہے، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ کوئی حرج نہیں ہے اور شوہر کی نیت سے کوئی ضرر نہیں ہوگا اور اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے کہ کسی عورت کو رکھنے کے ارادے سے نکاح کرے پھر اگر طبیعت میل کھائے تو رکھ لے ورنہ طلاق دیدے۔

اگر ہم علماء اسلاف کے اقوال کو غور سے دیکھیں تو نظر آئے گا کہ وہ تمام اس بات پر متفق تھے کہ نکاح بنیت طلاق اگر اس میں نکاح کے تمام ارکان وشرائط پائے جائیں اور وہ شرط فاسد سے خالی بھی ہو تو اس میں کوئی ممانعت نہیں ہے اور نہ ہی اس کے کرنے والے پر کوئی حرج ہے۔

اور یہ مسئلہ فتوی دینے والے ادارہ عامہ کی کمیٹی اور ملک کویت کے شرعی دارالافتاء کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ طلاق دینے کی نیت سے نکاح کرنا ایسے ہی ہے جیسے کہ کوئی

آدمی کسی عورت سے بلا کسی شرط کے نکاح کرے، مگر کچھ ماہ بعد یا اس شہر میں اپنی ضرورت پورا ہوجانے کے بعد طلاق دینے کا ارادہ ہوتو عام اہل علم کے نزدیک یہ نکاح صحیح ہوگا، سوائے امام اوزاعیؒ کے، یہ کہتے ہیں کہ یہ نکاح نکاح متعہ ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے، آدمی اپنے ساتھ رکھنے کے لئے کوئی نکاح کرے پھر اگر طبیعت میل کھا جائے تو باقی رکھے ورنہ طلاق دیدے (وزارت الاوقاف والشئون الاسلامیہ بدولۃ الکویت)۔

اس طرح کے نکاح کے جواز پر ماقبل میں متعدد مقامات پر شیخ بن بازؒ کا فتوی گذر چکا ہے اب آپ کے سامنے ان کا اصل فتوی پیش کیا جارہا ہے۔

جب میں اللجنۃ الدائمۃ تنظیم کا صدر اور ذمہ دار اعلی تھا تو ایک فتوی کے جواب میں میں نے کہا تھا طلاق کے ارادے سے کئے ہوئے نکاح کے جواز میں کوئی کمی نہیں ہے جبکہ یہ نیت فیما بینہ وبین اللہ ہو، یعنی جب کوئی شخص کسی اجنبی شہر میں تعلیم یا ملازمت کی غرض سے ہو اور اس نے اس نیت سے نکاح کرلیا کہ جب ملازمت یا تعلیم مکمل ہوجائے گی تو طلاق دیدوں گا تو جمہور اس نکاح کو صحیح قرار دیتے ہیں، لیکن یہ نیت شرط نہیں بلکہ فیما بینہ وبین اللہ ہونی چاہئے اور اس نکاح اور متعہ میں فرق یہ ہے کہ متعہ میں متعینہ مدت بطور شرط کے ہوتی ہے، یعنی ایک ماہ یا دو ماہ وغیرہ اور یہ شرط لگی ہوتی ہے کہ جب یہ مدت ختم ہوگی تو نکاح خود بخود ختم ہوجائے گا اور یہ نکاح متعہ کی حقیقت ہے جو باطل ہے۔

مگر کسی نے اگر سنت کے مطابق نکاح کیا اور اس کے دل میں ارادہ ہو کہ اس شہر سے جاتے وقت بیوی کو طلاق دیتے جاؤں گا تو ایسی نیت مضر نہیں ہے بلکہ یہ تو زنا اور فواحش سے روکنے والا ہے، اور یہی جمہور اہل علم کا قول ہے جسے صاحب مغنی موفق الدین ابن قدامہ نے نقل کیا ہے (مجموع فتاوی ومقالات متنوعہ للشیخ عبدالعزیز ابن عبداللہ بن باز)۔

قائلین کراہت کے دلائل:

امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ جیسا کہ ان سے ابن تیمیہؒ اور ان کے صاحب زادے عبداللہ نے نقل کیا ہے، اور ابن تیمیہ بھی ایسے نکاح کی صحت کے قائل ہیں نیز یہ بھی پوری کے ساتھ کہتے ہیں کہ اس پر تمام آثار نکاح مرتب ہوں گے، مگر یہ سارے حضرات ایسے نکاح کو مکروہ سمجھتے ہیں اور یہی بات شبہات سے کوسوں دور لگ رہی ہے تا کہ اس قبیح عہد کی وجہ سے نکاح کو ہلکا نہ سمجھا جانے لگے، آپ کے سامنے ان کی کتابوں سے دلائل پیش ہیں:

امام مالکؒ سے دریافت کیا گیا کہ اس آدمی کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو اپنی عورت سے جنسی خواہش پوری کرنے کے لئے نکاح کرے اور اسے پاس مستقل طور پر رکھنا نہ چاہے، تو امام مالکؒ نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ یہ کوئی اچھے اخلاق کا مظاہرہ نہیں ہے، اگر عورت کو کسی طرح اس کی اطلاع ہو جائے تو شاید وہ کبھی بھی اس طرح کے نکاح پر راضی نہ ہو اور فرمایا کہ یہ تو عراق کے نکاح نہاری (دن والے نکاح) کی طرح ہے، پوچھا گیا امام مالکؒ سے کہ یہ نہاریہ نکاح کیا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ عراق کی ایک قوم ہے جو اس شرط پر نکاح کرتی ہے کہ ہم لوگ دن ہی میں تمہارے (بیوی) کے پاس آیا کریں گے اور رات میں ہمارا تم سے کسی طرح کا کوئی تعلق نہ رہے گا۔

اور منتقی میں آیا ہے کہ جس کسی نے کسی عورت سے نکاح کیا اس نیت سے کہ وہ اسے مستقل اپنے نہ رکھے گا کچھ دن اسے رکھ کر لطف اٹھائے گا پھر اپنے سے اسے جدا کر دے گا تو امام محمدؒ امام مالکؒ کے حوالے سے ذکر کرتے ہیں کہ یہ نکاح جائز ہے، لیکن اچھی بات نہیں ہے اور نہ ہی یہ انسانی اخلاق سے ہے، اور اس کا مفہوم وہی ہے جس کو ابن حبیبؒ نے اپنے ان الفاظ میں بیان فرمایا: ”**إن النكاح وقع عليه وجهه ولم يشترط شيئاً**“، یعنی یہ نکاح بلا کسی شرط کے واقع ہوا ہے اور نکاح متعہ میں مدت ختم ہونے کے ساتھ نکاح ختم ہونے کی شرط لگی ہوئی ہوتی ہے، اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ کبھی آدمی مستقل نہ رکھنے کی شرط پر نکاح کرتا ہے اگر ایسا ہے تو یہ معاملہ آدمی کے لئے اور آسانی پیدا کر دیتا ہے کہ چاہے تو روک لے، اور کبھی آدمی مستقل طور پر

رکھنے کی نیت سے نکاح کرتا ہے مگر طبیعت میل نہیں کھاتی تو پھر جدا ہو جاتا ہے۔ امام مالکؒ اس مسئلہ سے یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ طلاق کے ارادے سے نکاح کرنا نکاح کے منافی نہیں ہے، کیونکہ اگر فقط ارادہ ہے تو آدمی کو رکھنے نہ رکھنے دونوں کی گنجائش ہے نکاح کے منافی تو توقیت ہے (المنتقی شرح موطا مالک)۔

امام مالکؒ سے دریافت کیا گیا کہ کیا آپ اس نکاح کو مکروہ سمجھتے ہیں تو انہوں نے فرمایا: ہاں یہ مکروہ ہے اور اس میں کسی قسم کا خیر نہیں ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص کسی شہر کو آئے اور وہاں کسی عورت سے نکاح کرنا چاہے اور میاں بیوی کی نیت ہو کہ اس شہر میں قیام کرنے تک شوہر اس کو اپنے پاس رکھے گا تو یہ نیت خواہ خالص شوہر کی ہو یا خالص بیوی کی ہو یا دونوں کی ہو ساتھ میں ولی بھی اس نیت سے باخبر ہو اگر نکاح کو عقد کے وقت مطلق رکھا گیا ہے تو یہ نکاح بالکل صحیح اور شرعی ہے، اس لئے کہ نیت نام ہے حدیث نفس کا اور اللہ تعالی نے لوگوں کے دلوں میں گذرتے رہنے والی باتوں کو قابل عفو اور نا قابل اعتبار مانا ہے، کیونکہ بسا اوقات آدمی کسی چیز کی نیت کرتا ہے مگر اسے نہیں کرتا اور کبھی اسے انجام بھی دیدیتا ہے، معلوم ہوا کہ امر حادث فعل ہے نا کہ نیت۔ نیز فرمایا کہ اگر شوہر نے بیوی کو نکاح سے پہلے بہلایا پھسلایا ہو کہ چند دن تک وہ اس سے لطف اندوز ہوگا پھر اسے آزاد کردے گا اور وہ راضی ہوگئی تو اگر عقد نکاح کے وقت نکاح کو مطلق رکھا گیا اور اس طرح کی کوئی شرط نہیں لگی تو نکاح درست ہے مگر اس عمل پر ایک دوسرے کو بہلانا پھسلانا مکروہ ہے اور اگر اس طرح کی شرط بطور شرط کے ذکر کردی گئی تو یہ عقد فاسد ہوجائے گا اور یہ نکاح متعہ ہوجائے گا لیکن قبل العقد اس کا تذکرہ فقط مکروہ ہوگا، کیونکہ اصول یہ ہے کہ ہر وہ شرط جس کے اظہار پر عقد باطل ہوجائے اس کا اخفا بھی مکروہ ہے (نہایۃ المحتاج)۔

اور اسنی المطالب میں ہے کہ اگر عاقدان نے اس میں (تحلیل وغیرہ میں) سے کسی چیز پر اتفاق کرلیا پھر بلا کسی شرط کے اسی ارادے سے نکاح کرلیا تو یہ مکروہ ہے یہ اسی سابقہ اصول پر کہ

ہر وہ شرط جس کا ذکر عقد کو باطل کر دیتا ہے اس کا مخفی رکھنا بھی مکروہ ہے، اور اسی جیسا یہ مسئلہ بھی ہے کہ اگر کسی عورت سے نکاح کیا اور اس کا ارادہ ہے کہ وطی کے بعد طلاق دیدے گا اور اسی کی صاحب ''الاصل'' نے صراحت کی ہے اور مصنفؒ کی کراہت کی وضاحت ان کی زیادات میں ہے اور ماوردیؒ وغیرہم نے بھی اسی کی اپنے بیان میں وضاحت کی ہے (اسنی المطالب فی شرح روض الطالب)۔

رہی بات ابن تیمیہ کی جوانہوں نے امام محمدؒ سے نقل کی ہے تو اس کی یہاں یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے ایک مدت تک کے لئے نکاح کرے اور عورت سے اس مدت کا اظہار نہ کرے تو مسئلہ کی یہی صورت اختلافی ہے، امام ابوحنیفہ اور شافعیؒ اس کی اجازت دیتے ہیں اور امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ وغیرہم اسے مکروہ گردانتے ہیں۔

ایک مسافر آدمی کے تعلق سے ان حضرات سے پوچھا گیا کہ وہ ملک کے ہر شہر میں ایک دو ماہ قیام کرتا ہے، پھر وہاں سے دوسرے شہر منتقل ہو جاتا ہے اور وہ اس زمانے میں فحش کاری میں مبتلا ہونے کا خوف کرتا ہے تو کیا اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اس شہر میں قیام کرنے کے زمانے میں نکاح کرلے اور جب وہاں سے رحلت کرنے لگے تو بیوی کا حق دے کر اسے طلاق دیدے یا مناسب سمجھے تو نکاح باقی رکھے تو فقہاء حضرات نے اس کا حل نکالتے ہوئے جواب دیا کہ یہ شخص نکاح مطلق کرلے اور اس میں کسی طرح کی شرط نہ لگائے تاکہ نکاح صحیح بھی رہے اور پھر اگر چاہے رکھے اور اگر چاہے طلاق دیدے، لیکن اگر حتمی ارادہ کر چکا ہے کہ سفر ختم ہونے پر طلاق دیگا ہی اور باقی رکھنے کا کوئی اندیشہ دل میں نہیں ہے تو یہ نکاح مکروہ ہے اور اس کی صحت میں بھی اختلاف ہے۔ لیکن اگر بیوی کی صفات یا کسی اور وجہ سے رکھنے کا کوئی تصور ہے تو نکاح مکمل صحیح ہے اور اگر نکاح میں عقد کے وقت مدت یا زمانہ کی شرط لگادی گئی تو پھر یہ نکاح متعہ ہو جائے گا جس کی حرمت پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے (الفتاوی الکبری)۔

اسی طرح عبداللہ سے ایک روایت ہے کہ کسی نے عورت سے نکاح کیا لیکن ارادہ ہے

کہ وہ اسے طلاق دیدے گا تو اس نے نکاح کو مکروہ بنادیا یہ تو متعہ ہوگیا۔

ڈاکٹر احمد الحجی الکردی فرماتے ہیں کہ طلاق کی نیت سے نکاح کرنا طلاق کی نیت کرنے والے شوہر کے حق میں کراہت سے خالی نہیں، اور ایسے ہی اس بیوی کے حق میں جسے اس نیت کی خبر ہوا اور اس نیت طلاق کے ساتھ وہ شوہر سے نکاح کرنے پر راضی ہو جائے۔

کراہت کی دلیل:

بغیر کسی وجہ کے طلاق دینا اصلاً مکروہ ہے اس پر سب سے بڑی دلیل ابغض الحلال إلی اللہ الطلاق ہے تو سابقہ نیت بھی ایسے ہی مکروہ ہوگی اس لئے کہ اس نکاح کا صحیح سالم باقی رہ جانا متعین نہیں ہے ہوسکتا ہے کہ نکاح کی جو مصلحتیں ہیں وہ بروکار نہ لائی جائیں اور ممکن ہے کہ نکاح ہے وہ تمام بروکار آجائیں اور نکاح اپنی صحت کے ساتھ برقرار رہے (الاحوال الشخصیہ الزواج)۔

تیسرا قول: حرمت کے قائلین کے دلائل:

حرمت ہی حنابلہ کا معتمد علیہ قول ہے اور احناف میں سے امام اوزاعی اسی طرف گئے ہیں جیسا کہ ابن العربی اسے امام مالکؒ کی طرف منسوب کیا ہے اور یہی ابن حزم ظاہری اور معاصرین علماء میں سے شیخ محمد رشید رضا اور سعودیہ عربیہ کے افتاء کے دائمہ کمیٹی کے اراکین اور شیخ محمد بن صالح عثیمین کا قول ہے۔

اور ان کی دلیل تین قسموں پر منحصر ہے:

۱۔ وہ فقہی قواعد جو اس نکاح کی حرمت پر دلالت کرتے ہیں۔

۲۔ متعہ کے حرام ہونے کی دلیلیں۔

۳۔ نکاح محلل پر قیاس کرنا۔

اور مزید کچھ ایسے دلائل ہیں جن سے یہ لوگ استدلال کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ قیاسی اور اجتہادی مسائل میں سے ہے جس پر قرآن وسنت میں سے کوئی صریح نص نہیں پائی جاتی ہے جو وضاحت کے ساتھ اس نکاح کے حرام ہونے پر دلالت کرے۔ حرمت کے قائلین نے عام دلائل کے ظاہری الفاظ، قیاس اور نکاح مشروع کی مصلحت کے ساتھ اس کے ٹکرانے اور غرض وغایت کے درمیان باہمی تعارض سے استدلال کیا ہے۔

دلائل:

اول: پہلی دلیل تو سنت نبویہ سے ثابت ہونے والی عام دلیلیں ہیں یا وہ باتیں ہیں جس سے کسی طرح بھی حرمت کا مطلب نکالا جاسکتا ہے۔ ایک مشہور حدیث میں آپ ﷺ کا فرمان وارد ہے اور اس کو زندگی کے عام مسائل میں ایک قاعدہ کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے وہ یہ ہے: "لا ضرر ولا ضرار" (؛؛؛؛) کہ مذہب اسلام نہ ابتداءً کسی کو تکلیف پہنچانے کی اجازت دیتا ہے اور نہ انتقاماً کسی کو تکلیف پہنچانے کی اجازت دیتا ہے)۔

"الضرر" ابتداء کسی کو تکلیف پہنچانے کو کہتے ہیں، اور "الضرار" کسی کو انتقاماً تکلیف پہنچانے کو کہتے ہیں، تو "ضرر" ابتداء فعل کو کہتے ہیں، اور "ضرار" بدلہ کو کہتے ہیں۔

اور یہ حدیث جس کی اہمیت کو ہم نے ذکر کیا، فقہاء نے اسے فقہ اسلامی کے اہم قواعد میں سے تسلیم کیا ہے، اور اس پر بہت سارے مسائل کی بنیاد رکھی ہے، یعنی ہمارے دین میں ابتداءً اور انتقاماً کسی تکلیف پہنچانے کی گنجائش نہیں ہے، تو شرعاً کسی کے لئے جائز نہیں ہوگا کہ کسی کو ابتداءً یا بدلہ میں کوئی تکلیف پہنچائے، اور یہ حدیث نفی جس کے طریقے پر لائی گئی ہے تاکہ اس سے ابلغ طور پر نہی وزجر ہو جائے (شرح القواعد الفقہیہ، احمد الزرقا)۔

اور اس حدیث سے طریقۂ استدلال یہ ہے کہ طلاق کے ارادے سے نکاح کرنے میں ضرر محض ہے جو یقینی طور پر عورت پر واقع ہوگا اور بعد نکاح پیدا ہونے والے بچوں کو بھی یہ ضرر متعدی ہوگا، اور عجب نہیں کہ عورت کو اگر اس کا علم ہو جائے کہ نکاح کرنے کے بعد کچھ ہی زمانے

پر طلاق دیدے گا تو وہ راضی ہو، کیونکہ نکاح کی اصل دائمی محبت اور شوہر کے یہاں مستقل قیام ہے۔

اور ایسے ہی ہم کہنے کی جسارت کریں گے کہ طلاق کے ارادے سے نکاح کرنے میں فریب دہی اور دھوکہ ہے جس سے رسول اللہ ﷺ نے ہمیں منع کیا ہے، حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "من غش فليس منى" (مسلم کتاب الایمان)، جس نے دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے اور حدیث سے طریقہ استدلال یہ ہے کہ یہ نکاح اصلاً فریب دہی اور دھوکہ دہی پر مبنی ہے، اور یہ دھوکہ دہی عورت کی طرف نسبت کرتے ہوئے ہے، کیونکہ شوہر ایک زمانہ کے بعد بیوی کو اپنے سے جدا کرنے کے ارادے کو چھپائے ہوئے ہے، اور بیوی کو اس کی اطلاع نہیں دی ہے، اور نہ بیوی کو اس کی خبر ہے، اور بیوی کو اگر اس فریب اور دھوکہ کا جو ہماری شریعت میں بالکل ممنوع ہے علم ہو جائے تو وہ کیوں کر راضی ہوگی۔

دوسری دلیل:

وہ قواعد فقہیہ ہیں جو طلاق کے ارادے سے کئے ہوئے نکاح کی حرمت پر دلالت کرتے ہیں:

ان قواعد فقہیہ میں پہلا قاعدہ یہ ہے:

(۱) جب حلال وحرام یکجا ہو جائیں تو حرام کو ترجیح دی جاتی ہے۔

اگر دو دلیلیں آپس میں متعارض ہو جائیں ایک تحریم کا تقاضا کرتی ہو اور دوسری اباحت کا تو تحریم کو اصح قول کے مطابق فوقیت دی جائے گی اور اسی بنیاد پر ہم کہتے ہیں کہ جب دو قولوں میں تعارض ہو جائے، اس میں سے ایک تحریم اور دوسرا اباحت پر دلالت کرتا ہے تو حرام میں مبتلا ہونے کے خوف سے تحریم والے پہلو کو فوقیت دی جائے گی۔

(۲)بضعوں میں اصل حرمت ہےاور حلت عارض ہے،اموال کے برخلاف۔

(۳)اوراختلاف سے نکلنا مستحب ہے۔

امام نوویؒ مسلم شریف کی شرح میں فرماتے ہیں کہ علماء اختلاف سے نکلنے کی کوشش پر متفق ہیں،جبکہ اس کی وجہ سے سنت میں کوئی خلل یا دوسرے اختلاف میں پڑنا لازم نہ آئے۔

اسی وجہ سے مسلمانوں پر لازم ہے کہ بضعوں کے سلسلہ میں پورے احتیاط کو برتیں تا کہ کسی محرمات میں مبتلا نہ ہو جائیں،خاص طور سے یہ چند متفرق مسائل سے متعلق۔

(۴)مصالح کو حاصل کرنے سے بدر جہا بہتر مفاسد کو دفع کرنا ہے۔

تو جب مفاسد اور مصالح متعارض ہو جائیں،تو عام طور سے مفاسد کو دفع کرنے کو مقدم کا جاتا ہے کیونکہ شارع نے منہیات کا خیال،مامورات کے مقابلے میں زیادہ کیا ہے۔

اسی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ جب کسی چیز میں منافع اور مضار یکجا ہو جائیں اور دونوں برابر برابر ہوں تو وہ چیز مفاسد کو دفع کرنے کے پیش نظر ممنوع ہوگی،تو اگر مسافر اور پردیسی نوجوانوں کے لئے طلاق کے ارادے سے نکاح کرنے میں واقعتاً کوئی مصلحت ہو،تو وہیں طلاق کے ارادے سے نکاح کو جائز کرنے میں مسلم عورتوں کو بے پناہ ضرر ہوگا،اوراس کا بھی دفع کرنا مقدم ہے۔

تیسری دلیل:

حرمت کی تیسری دلیل جس پراس کو نکاح کو باطل قرار دینے والوں نے اعتماد کیا ہے اس نکاح کو محلل پراور متعہ پر قیاس کرنا ہےاور قیاس اس بنیاد پر ہے کہ کبھی منوی مشروع کے مانند ہوتا ہے،زرکشیؒ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے ایک متعینہ مدت پر طلاق دینے کے ارادے سے نکاح کیا تو یہ نکاح منعقد نہیں ہوگا۔کیونکہ یہ متعہ کے مشابہ ہےاور ایک چیز کا کسی کے مشابہ ہونا اس کا حکم لے لیتا ہے۔مشابہت یہ ہے کہ اس شخص نے ایک مدت کے بعد اس عورت کو اپنے سے جدا

کرنے کو اپنے اوپر لازم کرلیا ہے۔ اور متعہ میں بھی ایک مدت پر پہنچ کر لازمی طور پر نکاح ختم ہوجاتا ہے۔ امام احمد نے ابوداؤد کی روایت کے حوالے سے فرمایا کہ جب کسی عورت سے اسے خراسان لے جانے کی شرط پر نکاح کرے اور ارادہ یہ ہو کہ اسے وہیں لے جاکر طلاق دیدے گا تو پھر یہ نکاح درست نہیں ہوگا، کیونکہ یہ متعہ کے مشابہ ہے، حتی کہ اگر کسی عورت سے اس کی حیات تک کے لئے نکاح کیا تو یہ بھی درست نہیں ہوگا، اور اس نص میں ایک دوسری علت کی طرف اشارہ ہے وہ یہ ہے کہ نکاح کی مشروعیت دواماً ہوئی ہے اور اس طرح کی شرط اس کے منافی ہے بلکہ نفس نیت ہی نکاح کے لئے رکاوٹ ہے۔

نیز عبداللہؒ کی روایت میں کہ اگر کسی عورت سے نکاح کیا اور اس کا ارادہ آگے چل کر طلاق دینے کا ہے تو یہ مکروہ ہے اور یہ متعہ ہے اور اسی پر جمہور اصحابؒ ہیں۔ قاضی، شریف اور ابوخطابؒ، ابن عثیمینؒ فرماتے ہیں کہ ہر وہ شرط جس کا ذکر عقد کو فاسد کردیتا ہے اس کا ارادہ بھی عقد کو فاسد کردیتا ہے تو یہیں معلوم ہوا کہ منوی مشروط کی طرح ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اعمال کا مدار نیتوں پر ہے اور آدمی کو وہی چیز ملتی ہے جس کا وہ ارادہ کرتا ہے، تو جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہوگی تو اس کی ہجرت اللہ اور رسول کے لئے ہوگی اور جس کی ہجرت کسی عورت کو پانے کے لئے ہو تو اس کی ہجرت اسی عورت کے لئے ہوئی جس کو پانے کے لئے اس نے ہجرت کی ہے۔

اور اس میں یہ مسئلہ داخل ہوگا کہ جب کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرے اور اس کا ارادہ ہو کہ یہ نکاح کسی کام یا زمانے پر موقت ہوگا، مثال کے طور پر کسی پردیسی نے اس ارادے سے نکاح کیا کہ جب اس شہر سے جدائیگی اختیار کرے گا تو اس عورت کو طلاق دیدے گا، اور یہ مسئلہ معلوم ہے کہ اگر کسی شخص کے لفظ کے ذریعہ اس کی شرط لگائی اور اس نے کہا کہ میرا اس عورت سے اس شہر میں میرے مقیم رہنے تک کے لئے نکاح کرادی جائے تو یہ نکاح متعہ ہوگا جو صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ اللہ کے حبیب نے اس سے منع کیا ہے، لیکن اگر اس کی نیت کی ہو تو کیا ہم

کہیں گے کہ یہ نکاح صحیح نہیں ہے کیونکہ ہمارے یہاں منوی مشروط کے مانند ہوتا ہے؟ یا کہیں گے کہ صحیح ہے، کیونکہ صاحب عقد کے سامنے (بیوی کے سامنے) شرط کا التزام نہیں کیا گیا ہے، اور بیوی کی خواہش کرنے کی بنیاد پر نکاح کو برقرار رکھے گا، یا راغب نہ ہونے کی بنیاد پر نکاح کو ختم کردے گا، برخلاف نکاح متعہ کے، کہ جب نکاح کی مدت ختم ہوجائے گی تو نکاح ازخود ختم ہوجائے گا، وہ راضی ہو یا راضی نہ ہو۔ امام احمد اوران کے اصحاب کا مشہور مذہب یہ ہے کہ وہ حضرات فرماتے ہیں کہ نکاح اس قاعدے کی بنیاد پر کہ جس شرط کا ذکر عقد کے لئے مفسد ہو، اس کا ارادہ بھی عقد کے لئے مفسد ہوتا ہے، یہ حضرات فرماتے ہیں کہ جب نکاح کو وقت کی شرط کے ساتھ مؤقت کرنا مفسد ہے، تو نیت بھی ایسے ہی ہوگی۔

اور سابقہ مباحث سے طلاق کے ارادے سے کئے ہوئے نکاح کو، نکاح متعہ کے ساتھ لاحق کرنے کی وجہ ظاہر ہوگئی، اور وہ توقیت کی نیت کرنا ہے، جو شرعی نکاح کے اصل کے منافی ہے، اور وہ دوام کے ارادے سے نکاح کرنا ہے۔

اور طلاق کے ارادے سے کئے ہوئے نکاح کو اس نکاح متعہ پر قیاس کرنے کی بنیاد پر جس کے حرام ہونے پر سب کا اتفاق ہے حرام قرار دیا گیا ہے اور نکاح متعہ کے حرام ہونے پر بہت ساری دلیلیں ہیں، جو دیکھنا چاہے اس کے ذکر کردہ مقامات پر دیکھ لے جہاں اس کے باطل ہونے اور طلاق کے ارادے سے کئے ہوئے نکاح کے حرام ہونے کے قائلین نے استدلال کیا ہے۔

اس نکاح کو نکاح محلل پر قیاس کرنا علت توقیت کی وجہ سے ہے جو اس نکاح پر صادق آتا ہے اور اس وجہ سے ہے کہ یہ مقصد کے منافی ہے اور وہ دوام وہمیشگی ہے۔ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ یہ نکاح، نکاح محلل کے حرام ہونے کی قبیل سے ہے، جس میں نفس کو عورت کی خواہش اور اسے بیوی بنانے کی کوئی رغبت نہیں ہے، بلکہ اس کا مقصد اپنی خواہش کو زانی کی طرح پورا کرتا ہے، گرچہ صورت مختلف ہے، اور یہ نکاح متعہ کی حرمت کی قبیل سے ہے جس میں متمتع عورت پر

ایک مدت کی شرط لگاتا ہے، جس مدت میں وہ اپنی خواہش کو پورا کر سکے، تو اس طرح کے تمام قسم کے نکاح کو زنا کاری کا دروازہ بند کرنے کے لئے حرام قرار دیا گیا ہے، اور فقہاء نے صرف نکاح مؤبد کو مباح قرار دیا ہے جس میں زوجین میں سے ہر ایک دوسرے کے ساتھ ہمیشہ رہنے کا ارادہ کرے، اور یہ نکاح ولی کی اجازت اور دو گواہوں کی موجودگی میں ہو، یا ان کی موجودگی میں ہو جو دو گواہوں کے قائم مقام ہو تو جب آپ شریعت کی حکمت میں پوری توجہ سے غور وفکر کریں گے، تو آپ اس انواع کے نکاح کی حرفت کو زنا کے ذرائع کو روکنے کے باب سے پائیں گے، اور یہ شریعت کے محاسن اور اس کے کمال کی قبیل سے ہے۔

توصحیح نہیں ہوگا اور مکمل نہیں ہوگا مگر وہی نکاح موبد جس میں توقیت کی شرط نہ ہو اور نہ طلاق کی نیت کی گئی ہو، تو طلاق کے ارادے سے کئے ہوئے نکاح کا حرام ہونا نکاح محلل پر قیاس کرنے اور دونوں میں توقیت کی صفت یکجا ہونے کی وجہ سے ہے، اور دونو ں کے درمیان مشابہت کی واضح وجہ مکان ہے، تو نکاح تحلیل اسکا ظاہر یہ ہے کہ یہ خواہشاتی نکاح ہے جس میں نکاح کی تمام شرائط پائی جارہی ہیں، مگر یہ وقت کے ساتھ مقید ہے، جس کی انتہا عورت کو وطی کے ساتھ پانا ہے تو جب اس سے وطی کرلے گا تو اسے طلاق دیدے گا خواہ اس نیت کو چھپایا ہو یا اس کی صراحت کیا، بہر صورت نکاح باطل ہے۔

اور طلاق کے ارادے سے نکاح کرنا، اس کا ظاہر بھی یہی ہے کہ یہ ایک خواہشاتی نکاح ہے جس میں نکاح کی مکمل شرائط پائی جارہی ہیں، اور یہ نکاح طلاق کے ذریعہ ختم ہوگا مگر یہ شریعت مطہرہ کی ایک اہم صفت کو اس توقیت کے ملحوظ نہیں رکھا ہے۔

بلکہ بعض علماء نے اس نکاح کو (طلاق کے ارادے سے کئے ہوئے نکاح کو) نکاح محلل سے زیادہ قبیح مانا ہے، اور اس کی وجہ آپ کے سامنے ہے، کہ یہ نکاح محلل اسی بعض صورتوں کے اعتبار سے تینوں اطراف (شوہر اول شوہر ثانی اور بیوی) کی رضامندی کو شامل ہوتا ہے، تو چونکہ اس طرح کا نکاح عورت کی جانکاری میں ہوا ہے اس لئے یہ نکاح فریب ودھوکہ سے خالی

ہے،لیکن یہ نکاح مؤقت ہے،اس لئے ایسا نکاح کرنے والا مذمت اورلعنت کا مستحق ہوگا(الزواج بنیۃ الطلاق،السہلی)۔

پھر یہ کہ طلاق شوہر کا حق ہے جب چاہے دے،تو پھر کیوں اس غلط اور قبیح نیت کی گنجائش دی جائے،اور نکاح وشادی کا سب سے اہم مقصد وہدف پیار ومحبت،اور ایک ساتھ رہنا ہے،ایک ماہ،یادوماہ پرطلاق دینے کا ارادہ کرلینے میں کہاں یہ پیار ومحبت،اور سکونت دائمہ حاصل ہوگی،اور یہ وجہ طلاق کے ارادے سے کئے ہوئے نکاح کی ممانعت کا تقاضا کرتی ہے،گرچہ متقدمین ومتاخرین علماء نے متعہ کےممنوع ہونے پر شدت اختیار کی ہے،اور اگرچہ فقہاء کہتے ہیں کہ اگرتوقیت کے ارادے سے نکاح کیا،مگرتوقیت کی تلفظ کے ذریعہ شرط نہیں لگائی تو یہ نکاح صحیح ہے،مگر یہ کہ شوہر کا اس مدت کو چھپانا دھوکہ اورفریب دہی ہے،مگر یہ نکاح بطلان کے زیادہ لائق ہے اس نکاح کے مقابلے میں جس میں مدت کی شرط لگی ہواوراس مدت پر زوجین اوران کے اولیاءراضی ہوں،اوراس میں اس رابطہ عظیمہ کو بیکار کرنے کا مفسدہ ہے،جوانسان کا سب سے بڑا رابطہ ہےیعنی شادی بیاہ کے ذریعہ ہونے والا انسانی رابطہ،ایک اورخرابی یہ بھی ہے کہ شہوت پرست مالدارمردوں اورعورتوں کواس سے بڑھاوااورفروغ حاصل ہوگا۔

اور وہ عقد جس میں اس قسم کی شرط نہیں ہوگی،وہ عقدان تمام خرابیوں پر مشتمل ہونے کے ساتھ فریب دہی اور دھوکہ ہوگا جس سے دوسرے مفاسد(دشمنی،بغض،اوراعتماد کا اٹھ جانا وغیرہ) پیدا ہوں گےحتی کہ اگرکوئی سچااورشریف آدمی حقیقی نکاح کرنا چاہے گا تاکہ وہ اس کی بیوی پاکدامن پاکدامنی کی زندگی گزاریں اوراس کا دینداری کے ساتھ آباد رہے،اوراس نکاح کے ذریعہ ایک صالح گھر کی بنیاد پڑےتو لوگ اس اعتماد نہیں کریں گے۔

سعودیہ عربیہ کے دارالافتاء نے اورعلمی بحثوں کی دائمی کمیٹی نے طلاق کے ارادے سے لئے نکاح باطل ہونے پرفتوی دیاہے،اصل فتوی میں ہے کہ طلاق کےارادے سےنکاح کرنا نکاح موقت ہے،اورمؤقت نکاح باطل ہے،کیونکہ یہ متعہ ہے،اورمتعہ بالا جماع حرام ہے،اور

نکاح صحیح یہ ہے کہ زوجیت کو باقی رکھنے اوراس پر جمے رہنے کے ارادے سے نکاح کیا جائے پھر اگر بیوی پسند آ گئی، اور طبیعت سے میل کھا گئی تو رکھ لے، ورنہ طلاق دیدے اللہ تعالی نے یہی فرمایا ہے: "فإمساک بمعروف أو تسریح بإحسان"، یا تو اچھے طریقے سے رکھ لو یا تو بھلائی کے ساتھ جدا کردو۔

شیخ بن عثیمینؒ فرماتے ہیں کہ امام احمدؒ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ طلاق کے ارادے سے نکاح کرنا حرام ہے، اور یہ نکاح میں داخل ہے، اس بنیاد پر کی حکم کے موثر ہونے میں نیت کا بڑا دخل ہے، آپ ﷺ کے قول "إنما الأعمال بالنیات" کی وجہ سے، اوراگر کسی شخص نے مطلقہ ثلاثہ سے حلالہ کے ارادے سے نکاح کیا، تو یہ نکاح باطل اور حرام ہوگا اور یہ بیوی شوہر اول کے لئے حلال بھی نہیں ہوگی، جیسا کہ اگر اس کی نفس عقد ہی میں شرط لگا دیا ہوتا، اور اسی بنیاد پر طلاق کی نیت، تحلیل کی نیت کی طرح ہوگی، یعنی جیسے تحلیل کی نیت موثر ہے، ویسے ہی طلاق کی نیت بھی موثر ہوگی۔

اور بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ طلاق کی نیت، طلاق کی شرط لگانے کی طرح نہیں ہے، کیونکہ طلاق کی شرط کا مطلب یہ ہے جب مدت ختم ہو جائے گی تو اس ذمہ طلاق دینا لازم ہوگا، اور ایسے ہی متعہ ہے کہ جب شرط لگا دی کہ اس نے اتنی ہی مدت تک کے لئے نکاح کیا ہے تو اس کا مطلب اور مقتضی یہ ہوگا کہ جب یہ مدت ختم ہوگی تو نکاح ازخود ختم ہو جائے گا، تو نیت کہاں شرط کے مانند ہوئی، اور یہ فرق بالکل ظاہر ہے، اس لئے شرط کی مدت جب ختم ہو جاتی ہے تو نکاح ازخود ختم ہو جاتا ہے، اور جب شوہر طلاق کی شرط لگا لے، تو مدت ختم ہونے پر اسے طلاق دینا لازم ہوگا، اور یہ فرق یقینی طور پر حکم میں موثر ہوگا، لیکن یہ ہمارے یہاں دوسری وجہ سے حرام ہے کہ جب شوہر کو چھوڑنے کے وقت طلاق دینے کے ارادے سے نکاح کیا تو اس میں بیوی اور اس کے اہل خانہ کو دھوکہ دینا ہے، کیونکہ اگر بیوی اور اس کے اہل خانہ کو معلوم ہو جائے کہ اس سے شہر سے کوچ کرنے وقت طلاق دینے کے ارادے سے نکاح کر رہا ہے تو غالب گمان ہے کہ یہ لوگ راضی نہ

ہوں، تو اس میں انہیں فریب اور دھوکہ دینا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ "**من غش فليس مني**"، جس نے دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ پردیسیوں کے لئے ایسا نکاح کرنے کے سلسلہ میں علماء کی آراء مختلف ہیں، اہل علم کا ایک طبقہ کہتا ہے کہ یہ نکاح فاسد ہے اور نکا متعہ ہے اور یہی امام احمدؒ کا مشہور مذہب ہے۔ وران حضرات نے علت یہ بیان کی ہے کہ طلاق کے ارادے سے نکاح کرنا طلاق کی شرط لگانے کے مانند ہے، اس نکاح محلل پر قیاس کرنے کی وجہ سے جس کی نیت شرط کی ہوتی ہے۔

اور دوسرے بعض اہل علم نے کہا ہے کہ نیت موثر نہیں ہوتی ہے اس لئے کہ نیت محض اور شرط کے درمیان واضح فرق ہے اسی لئے جب عقد نکاح میں مدت کی شرط لگائی گئی ہو تو مدت کے اختتام پر طلاق دینا لازم ہو جاتا ہے اور اس طلاق پر نکاح معلق کیا ہو تو پھر نکاح ازخود ختم ہو جاتا ہے اس فرق کے سبب حکم میں بھی اس کا فرق اور اثر ظاہر ہوگا۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ بہت بڑا دھوکہ ہے اور اگر بیوی اور اس کے ولی کو نیت کی اطلاع کے بغیر نکاح کرے کیوں کہ غالب یہی ہے کہ اگر اہل خانہ کو علم ہو جائے کہ آدمی کی نیت کچھ ہی وقت بیوی بنانے کی ہے تو وہ راضی نہیں ہوں گے اور شوہر کے اس عمل کو اپنے لئے آئندہ پریشانی اور عار کا سبب گردانیں گے، اگر بیوی اور اہل خانہ کو بتلایا ہوگا تو یہ متعہ میں داخل ہے اور اگر چھپایا ہوگا تو فریب اور دھوکہ کا حصہ ہے جو ایک مومن کے لئے زیبا نہیں۔

یہ بعض وہ دلیلیں پیش کی گئیں جس سے اس نکاح کو باطل قرار دینے والے استدلال کرتے ہیں۔

ہم یہاں تفصیلی دلائل کو چھوڑ کر صرف اجمالی طور پر چند کو پیش کر دیا ہے جو شخص تفصیلی بحث کو معلوم کرنا چاہے تو اسے علماء و محققین کے علمی مطولات کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

خاتمہ

تمام تعریف اللہ رب العزت کے لئے ہے جس پر تمام بھلائیاں ختم ہوجاتی ہیں اور درود وسلام نازل ہو نبی برحق محمد بن عبداللہ اوران کے آل اوران کے تمام صحابہ پر جنہیں اللہ نے امت کے لئے منارۂ نوراور چراغ ہدایت بنایا ہے بلاشبہ انہی کے راستہ چلنے سے ہمیں راہ راست ملی ہے۔ آپ ﷺ نے نکاح کی رغبت دلاتے ہوئے فرمایا: ''من رغب عن سنتی فلیس منی''، یعنی جو میری سنت سے اعراض کرے وہ میری امت سے نہیں ہے، چنانچہ سمجھنا چاہئے کہ نکاح کے ذریعہ بیوی کو حاصل کرنا نبی کی سنت ہے، لیکن میری بحث کا موضوع نکاح بنیۃ الطلاق ہے جس میں ایک طرف دھوکہ اور زبردست فریب ہے تو دوسری طرف اگر توقیت وغیرہ کی شرط نہیں لگی تو ظاہراً اصول شرعی کے موافق بھی جس کا تقاضا یہ ہے کہ نکاح صحیح ہو اس سلسلہ میں بتوفیق اللہ تبارک وتعالی ہم نے تمام ائمہ حضرات کے دلائل اوران کی آراء کو بیان کردیا۔

اللہ تعالی ہماری اور ہمارے ادارے کی اس کاوش کو قبول فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔